توشی هیکو ازتسو

ترجمہ: محمد خالد مسعود

کفر ظلم عظیم ہے

یہ مضمون پروفیسر ازتسو کی کتاب "قرآن میں اخلاقی اصطلاحات کی تشکیل" (ٹوکیو: ۱۹۵۹ء) کے باب نہم کا ترجمہ ہے۔ اس سے قبل اسی کتاب کے باب چہارم کا ترجمہ "قرآن کریم کے معنویاتی مطالعے کا طریق کار" کے عنوان سے پیش کیا جاچکا ہے۔ (المعارف جلد ۲۷ (۱۹۹۴ء) شمارہ ا۔ ۲۔ ۳، صفات ۵۳۔ ۸۸)۔

پروفیسر ازتسو جاپان میں علوم اسلامیہ کے مطالعے کے بانی شمار کیے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کے جس خصوصی طرز مطالعہ کا انھوں نے آغاز کیا تھا، اب جاپان میں ان کے شاگردوں کی وجہ سے اس میں خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔ پروفیسر ازتسو نے عربی زبان اور علوم اسلامیہ میں روسی عالم علامہ موسی جار اللہ سے استفادہ کیا تھا۔ علامہ موسی جار اللہ برصغیر میں مولانا عبید اللہ سندھی اور علامہ اقبال کے حوالے سے معروف ہیں۔ پروفیسر ازتسو نے کینیڈا کی میکگل یونیورسٹی میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۹ء تک علوم اسلامیہ، اسلامی فلسفہ، منطق اور علم معنویات کی تدریس سرانجام دی، اس زمانے میں مترجم کو ان سے شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔

(مترجم)

قرآن کریم میں مذکور اہم اخلاقی صفات کے تفصیلی بیان کے لیے ہم نے مثبت اقدار کی بجائے منفی قدر یعنی "کفر" کے تجزیے سے آغاز کیا ہے' کیونکہ مسلمہ طور پر کفر سب سے بڑا گناہ ہے۔ ہماری نظر میں منفی قدر سے بات شروع کرنا منہج تحقیق کے لحاظ سے بھی بے حد مفید ہے۔ نہ صرف یہ کہ "کفر" تمام منفی اخلاقی اقدار کا بنیادی نقطہ ہے' بلکہ قرآنی اخلاقیات کے مجموعی نظام میں بھی اس کا مقام اتنا اہم ہے کہ اکثر مثبت صفات کے صحیح ادراک کے لیے اس کی معنویاتی تشکیل کو سمجھنا لازمی ہے۔ قرآن مجید کے سرسری مطالعہ سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کتاب میں "کفر" کے تصور کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ انسانی اخلاق و کردار کے بارے میں کوئی آیت ہوگی جس میں اس کا حوالہ نہ ہو۔ ہمارے خیال میں تو دین اسلام کی اعلیٰ ترین قدر "ایمان" کی معنوی اہمیت بھی ایمان کے براہ راست تجزیے سے نہیں بلکہ اس کے منفی پہلو یعنی کفر کی اصطلاح کو سمجھنے سے واضح ہوتی ہے۔

"کفر" میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے' اس کے پیچیدہ معانی کے بارے میں بھی ہم کافی گفتگو کر چکے ہیں۔ آیئے ہم پہلے اجمالاً ان نکات کا اعادہ کر لیں جن پر بات ہو چکی ہے۔

(۱) معنوی اعتبار سے کفر کے بنیادی اور غالب معنی "چھپانا" ہیں۔ انعامات کے سیاق میں جن میں نعمتوں سے نوازنا اور ان سے بہرہ ور ہونا' دونوں مفہوم شامل ہیں' کفر کے بدیہی معنی یہ بنتے ہیں۔ "چھپانا" یعنی "جان بوجھ کر ان نعمتوں کو نظر انداز کرنا جن سے آدمی فائدہ اٹھا رہا ہو' یا بالفاظ دیگر "ناشکرا پن"' "احسان فراموشی۔"

(۲) قرآن اس بات پر بہت شدت سے زور دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر لطف و کرم کرنے والا ہے۔ اس کی مخلوق ہونے کے ناطے انسان کی ہر چیز حتیٰ کہ اس کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا مرہون منت ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا، جو انسانی زندگی کے ہر ہر لمحے میں ظاہر ہو رہی ہیں، شکر ادا کرے۔ چنانچہ کافر ایسا انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں، اور احسانات سے فائدہ اٹھانے کے باوجود اپنے افعال و کردار سے کسی احسان مندی کا اظہار نہ کرے بلکہ اس محسن و مربی کے خلاف بغاوت کا راستہ اختیار کیے رکھے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کے مقابلے میں ناشکری اور احسان فراموشی کے رویے کا انتہائی واضح اظہار "تکذیب" یعنی "چیخ چیخ کر جھٹلانے" سے ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ کے رسولؐ اور اس کے ذریعے بھیجے ہوئے پیغام الٰہی کو جھوٹ بتلانا۔

(۴) چنانچہ اس طرح لفظ "کفر" فی الواقعہ "ایمان" کی عین ضد کے طور پر بہت کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں "مومن" (ماننے والا) اور "مسلم" (سر تسلیم خم کرنے والا) کے متضاد سب سے زیادہ جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ یقیناً "کافر" ہے۔

اس نکتے سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک طرف تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کفر کا لفظ ایمان کے مقابلے میں اتنی کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ اس کا اصلی معنوی عنصر یعنی "ناشکرا پن" بتدرج نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور "عدم ایمان" یا "نہ ماننے" کا مفہوم زیادہ غالب آتا گیا، حتیٰ کہ بالآخر اب عام طور پر یہ لفظ دوسرے معنوں میں ہی استعمال ہونے لگا اور اس سیاق و سباق میں "شکر" کا مفہوم بالکل بے محل لگتا ہے۔ انتہائی محتاط طریقے سے کم از کم یہ کہا جاسکتا ہے کہ درحقیقت قرآن کریم میں کفر کا لفظ "شکر گزاری" کی بجائے "ایمان" اور "عقیدہ" کے متضاد مفہوم میں زیادہ استعمال ہوا ہے۔ دوسری جانب اسی نکتے کی بنیاد پر یہ قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس معنویاتی اصول کی رو سے کہ معانی اپنے قریبی الفاظ سے متاثر ہوتے ہیں، لفظ "ایمان"

بھی "کفر" کے اصلی معانی یعنی "ناشکرا پن" سے شدت سے متاثر ہوا ہو گا۔

(۵) لفظ "کفر" کا ایک مفہوم ہے "انسان کا اپنے خالق سے انکار۔" قرآن کریم میں یہ مفہوم خاص طور پر تکبر، غرور اور خود پسندی جیسے مختلف الفاظ کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے۔ استکبر (غرور کی وجہ سے بڑا بننا) اور استغنی (خود کو مطلقاً آزاد اور مختار سمجھنا) اور اسی طرح کے کئی الفاظ ہیں جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اس سیاق میں کفر "تضرع" یعنی عاجزی کے عین برعکس ہے اور تقوے سے بھی متصادم ہے جو یقیناً دین کے اسلامی تصور کا مرکزی عنصر ہے۔

اجمالی طور پر کفر کے مفہوم کے ان بنیادی نکات کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم قرآن کریم کی ان آیات کا تفصیلی جائزہ پیش کریں گے جن میں کفر کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس استعمال کا معنوی تجزیہ بھی کریں گے۔

(ا) کفر کے مفہوم میں ناشکرے پن کا عنصر

سورۃ الشعراء (۲۶) میں لفظ "کافر" کا سیاق دین و ایمان نہیں ہے۔ (۱) درحقیقت یہ آیت "کفر" کے غیر دینی مفہوم کی نہایت عمدہ مثال ہے، کیونکہ اس میں کفر کے معانی میں ناشکرے پن کا اساسی عنصر بہت واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ اس اصطلاح کے دینی سیاق میں استعمال کے تجزیے کے لیے ہم ایک نہایت اہم مثال سے بات شروع کریں گے۔ یہ آیت بہت نادر قسم کی ہے کیونکہ یہاں کفر کا حوالہ خدا کے بارے میں انسانی رویے سے نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس یہاں کفر کا حوالہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے بارے میں امکانی رویہ ہے۔ اس آیت سے اس عجیب حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، کہ جس طرح انسان کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ خدا کے فضل اور انعام کے حوالے سے اس کا شکر گزار ہو، اسی طرح خدا کی اپنی نیکی اور خیر کی صفت کا تقاضا ہے کہ وہ انسان

کے ان اعمال صالحہ پر اس کا شکریہ (قدر دانی) ادا کرے جو اس نے خدا کے پیغمبر کی دعوت پر ایک مومن کی حیثیت سے سرانجام دیے۔ اللہ تعالیٰ ایک مخلص مومن کے نیک اعمال کو کبھی نظرانداز نہیں کرتا بلکہ وہ احسان مندی کے ساتھ ان کو قبول کرتا ہے اور انسان کے لیے ان کا حساب رکھتا ہے۔ چنانچہ شکر گزاری کا جذبہ دونوں جانب سے ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہت واضح طور پر بندے کو جنت کی نعمتیں عطا کرکے اپنی شکرگزاری (قدر دانی) اور عدم کفران کا اظہار کریں گے۔

"فمن یعمل من الصلحت و ھو مؤمن فلا کفران لسعیہ' وانا لہ کتبون (الانبیاء - ۹۴)

جو کوئی بھی نیکی کا کام کرتا ہے اور وہ مومن ہے تو اس کی کوشش کو ناشکری کی نذر نہیں کیا جائے گا' ہم اسے اس کے لیے لکھ لیتے ہیں۔

ظاہری اور سادہ الفاظ میں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے بلکہ اس کا بدلہ بہت فیاضی سے دیں گے۔ اگر آیت کے معانی اس شکل میں بیان کیے جائیں تو اس کی ندرت ختم ہو جاتی ہے اور یہ قرآن کی عام آیتوں میں سے ایک آیت نظر آتی ہے۔ لیکن اس آیت کی خصوصی ندرت جو ہمارے نزدیک اس کی معنوی اہمیت ہے' اس بات میں ہے کہ اس میں ایک بہت ہی بنیادی خیال کو کفر کی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ آیت اس بات کی شہادت فراہم کرتی ہے کہ کفر کا اصلی مفہوم "ناشکراپن" ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس بنیادی مفہوم میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے اس امکانی رویے کے لیے بھی بولا جاسکتا ہے' جس کے وقوع کی یہاں تردید کی جا رہی ہے۔

مندرجہ بالا آیت کے برعکس' ذیل میں جن آیات کی مثالیں دی جا

رہی ہیں ان سب کا تعلق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں انسانی رویے سے ہے۔ اپنی لامحدود مشیت کے تحت اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی لا متناہی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے' لیکن انسان ناشکرے پن پر اڑا رہتا ہے۔

الم ترالی الذین بد لوا نعمت اللّٰہ کفرا واحلوا قومھم دارالبوار○ جھنم یصلونھا و بئس القرار ○ (ابراہیم۔ ۲۸۔ ۲۹)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمتوں کے بدلے میں ناشکری کا اظہار کیا اور اپنے لوگوں کو ہمیشہ کے لیے ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں پہنچا' دیا وہ اس میں جلیں گے اور کتنا برا ٹھکانہ ہے۔

مندرجہ ذیل دو آیات میں کفر صریح طور پر "شکر" کے متناقض استعمال ہوا ہے۔

و ضرب اللّٰہ مثلًا قریہ کانت امنة مطمئنة یا تیھا رزقھا رغدا من کل مکان فکفرت بانعم اللّٰہ فاذا قھا اللّٰہ لباس الجوع و الخوف بما کانوا یصنعون ○ ولقد جائھم رسول منھم فکذبوہ فاخذھم العذاب وھم ظلمون ○ فکلوا مما رزقکم اللّٰہ حللا طیبا وا شکروا نعمت اللّٰہ ان کنتم ایاہ تعبدون○ (النحل۔ ۱۱۳۔ ۱۱۵)

اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن و اطمینان میں تھے' ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں' سو انھوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری (ناشکری) کی' اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی حرکات کے سبب ایک

محیط قحط اور خوف کا مزا چکھایا۔ ان کے پاس ان ہی میں سے
ایک رسول بھی آیا' اس کو انھوں نے جھٹلایا' تب ان کو
عذاب نے آ پکڑا۔ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھنے لگے۔ جو
چیزیں اللہ نے تم کو حلال اور پاک دی ہیں ان کو کھاؤ اور
اللہ کی نعمت کا شکر کرو۔ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

فاذکرونی اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون ○ (البقرہ
۔ ۱۵۲)

تم مجھے یاد کرو' میں تمھیں یاد کروں گا۔ تم میرا شکر ادا کرو
اور ناشکری نہ کرو۔

اگر مصیبت اور آزمائش کے حوالے سے انسانی رویے کا مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انسان کی طبیعت میں کفر (ناشکرے پن) کا عنصر بہت زیادہ ہے۔ مندرجہ ذیل پہلی دو آیات میں کفر کا لفظ "کفور" کے صیغے کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ اس صیغے کے متعلق علامہ بیضاوی کا کہنا ہے کہ یہ مبالغے کا صیغہ کفر کی شدت کو ظاہر کرتا ہے۔ (۲) اور ایسے لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے جو تمام نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کے باوجود انھیں تو مطلقاً" بھول جائیں' لیکن معمولی سی تکلیف کی یاد ان کے حافظے میں نقش رہے۔

ربکم الذی یزجی لکم الفلک فی البحر لتبتغوا من
فضلہ انہ کان بکم رحیما ○ واذا مسکم الضر فی
البحر ضل من تدعون الا ایاہ فلما نجکم الی البر
اعرضتم وکان الانسان کفورا ○ (بنی اسرائیل ۔ ٦٦۔
٦٧)

تمھارا رب وہ ہے کہ تمھارے لیے کشتی کو سمندر میں لے
چلتا ہے تاکہ تم اس کے (رزق اور) فضل کی تلاش کرو۔

بے شک وہ تمھارے حال پر بہت مہربان ہے' اور جب تم کو سمندر میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بجز خدا کے جتنوں کی تم عبادت کرتے تھے سب غائب ہو جاتے ہیں' پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو تم پھر (بدستور) پھر جاتے ہو اور انسان ہے ہی بہت ناشکرا۔

وانا اذا اذ قنا الانسان منا رحمۃ فرح بھا وان تصبھم سیئۃ بما قدمت ایدیھم فان الانسان کفور ○ (الشوری ۔ ۴۸)

اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان پر ان کے اپنے اعمال کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں' کوئی مصیبت آتی ہے تو آدمی ناشکرا ہو جاتا ہے۔

فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین فلما نجھم الی البر اذاھم یشرکون ○ لیکفروا بما اتینھم ولیتمتعوا فسوف یعلمون ○ (العنکبوت۔ ۶۵۔ ۶۶)

جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتے ہیں۔ جب اللہ انھیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں' چنانچہ جو نعمت ہم نے ان کو دی ہے اس کی ناشکری (ناقدری) کرتے ہیں اور یہ لوگ چندے اور فائدہ اٹھالیں' پھر عنقریب ان کو سب پتہ لگ جائے گا۔

واذا مس الناس ضر دعوا ربهم منیبین الیه ثم اذا اذاقهم
منه رحمۃ اذا فریق منهم بربهم یشرکون ○ لیکفروا
بما اتینهم فتمتعوا فسوف تعلمون ○ (الروم -
۳۳-۳۴)

اور جب انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارنے لگتے ہیں۔ پھر جب اللہ اپنی رحمت سے بہرہ اندوز کرتا ہے تو ان میں سے بعض اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں' حتی کہ ہم نے ان کو جو کچھ دیا اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ تو تم فائدہ اٹھا لو' پھر عنقریب تم کو سب پتہ لگ جائے گا۔

وما بکم من نعمۃ فمن اللّٰہ - ثم اذا مسکم الضر فالیہ
تجئرون ○ ثم اذا کشف الضر عنکم اذا فریق منکم
بربهم یشرکون ○ لیکفروا بما اتینهم فتمتعوا
فسوف تعلمون (النحل - ۵۳-۵۵)

اور تمھارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے' پھر جب تم کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے فریاد کرتے ہو۔ تو پھر جب وہ اس تکلیف کو تم سے دور کر دیتا ہے تو تم میں سے بعض اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں' حتی کہ وہ ہماری دی ہوئی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ تو چندے اور فائدہ اٹھا لو' پھر عنقریب تم کو سب پتہ لگ جائے گا۔

بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کی فہرست بہت تفصیل سے دیتے ہیں اور انھیں آیات (آیت - نشانی کی جمع) کہہ کر یاد کرتے ہیں اور فرماتے

ہیں کہ اس کی طرف سے اتنے کرم کے باوجود اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے شکر کا فریضہ ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت میں یہ بات غور طلب ہے کہ انسان کو بے انصاف اور بدمعاملہ (ظلوم) قرار دیا ہے' کیونکہ اللہ کی نعمتوں کے بارے میں اس کا رویہ ''کفر'' کا ہے۔

اللہ الذی خلق السموات والارض وانزل من السماء ماء فاخرح به من الثمرات رزقالکم و سخرلکم الفلک لتجری فی البحر بامره و سخرلکم الانهر ○ و سخرلکم الشمس والقمر دائبین وسخرلکم الیل والنهار ○ وآتکم من کل ماسالتموه' وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوها ان الانسان لظلوم کفار (ابراہیم ۳۲۔۳۴)

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا' جس کی وجہ سے پھلوں کی صورت میں تمھارے لیے رزق پیدا کیا۔ اس نے تمھارے لیے کشتی کو مسخر کر دیا تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلے' اور دریاؤں کو بھی تمھارے لیے مسخر کر دیا اور تمھارے لیے سورج اور چاند کو بھی مسخر کر دیا جو ہمیشہ چلتے ہی رہتے ہیں' اور تمھاریے لیے دن اور رات کو بھی مسخر کر دیا' جو چیز تم نے مانگی تمھیں دی او اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو گن نہیں سکو گے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ انسان بہت ہی بے انصاف اور بہت ہی ناشکرا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات سے یہ بات مزید صراحت سے سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان پر اپنے انعامات کے بدلے میں توقع کرتے ہیں کہ انسان اس کا

ر کا
ور
اللہ

شکر گزار ہو۔ وہ جزئی تفصیلات کے ساتھ اپنے فضل و کرم کا ذکر کرتے ہیں' اور فرماتے ہیں کہ یہ سارے انعامات اس لیے ہیں کہ شاید انسان شکرگزار ہو۔ لیکن انسان اللہ کی نعمتوں کا صریح اقرار کرنے کے باوجود ان کا انکار کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پھر یہ نتیجہ پیش کرتے ہیں کہ انسانوں میں سے اکثر کافر (ناشکرے) ہیں۔

واللّٰہ اخرجکم من بطون امھتکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والا بصار والا فئدۃ لعلکم تشکرون ○ الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ما یمسکھن الا اللّٰہ ان فی ذلک لایت لقوم یومنون ○ واللّٰہ جعل لکم من بیوتکم سکنا و جعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونھا یوم ظعنکم و یوم اقامتکم ومن اصوافھا وا وبارھا واشعارھا اثاثا و متاعا الی حین ○ واللّٰہ جعل لکم مما خلق ظلالا و جعل لکم من الجبال اکنانا و جعل لکم سرابیل تقیکم الحرو سرابیل تقیکم باسکم کذلک یتم نعمتہ علیکم لعلکم تسلمون ○ فان تولوا فانما علیک البلغ المبین ○ یعرفون نعمت اللّٰہ ثم ینکرونھا واکثرھم الکفرون ○ (النحل ۷۸۔ ۸۳)

اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اس نے تم کو کان دیے اور آنکھیں اور دل تاکہ شاید تم شکر کر سکو' کیا تم نے پرندوں کو نہیں دیکھا کس طرح آسمان کی فضا میں مسخر ہیں اور ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں تھامتا۔ اس میں

ان لوگوں کے لیے نشانیاں (دلائل) ہیں جو ایمان والے ہیں۔ اللہ نے تمھارے لیے تمھارے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا اور تمھارے لیے جانوروں کی کھالوں کے گھر بنائے جن کو تم کوچ کے دن اور پڑاؤ کے دن ہلکا پاتے ہو۔ اور ان کی اون' رووں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور ایک مدت کے لیے فائدے کی چیزیں بناتے ہو۔ اللہ نے تمھارے لیے بعض مخلوقات کے سائے بنائے۔ تمھارے لیے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں' تمھارے لیے ایسے کرتے (لباس) بنائے جو گرمی سے تمھاری حفاظت کرتے ہیں اور ایسے کرتے (لباس) بنائے جو لڑائی میں تمھاری حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی نعمتیں تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار رہو۔ پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ کے ذمے تو صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے' یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں' پھر ان سے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔

اس فصل کے آخر میں ہم اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ایک اور زور دار لفظ "کنود" بھی استعمال ہوا ہے' جس کے تقریباً وہی معنی ہیں جو کفور کے ہیں۔ کنود کا مادہ "ک ن د" ہے جس کے معنی ہیں "احسان فراموش ہونا" "انعام کی وصولی کے تسلیم کرنے سے انکار کرنا۔" اس لفظ کے استعمال کے سیاق و سباق سے اس کے مرادی معنی یہ بنتے ہیں کہ "انسان دولت کا لالچ کر کے اور دوسروں سے حسد کر کے ناشکرے پن کا اظہار کرتا ہے حتیٰ کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کا عشر عشیر بھی دوسروں کے پاس ہو تو اس پر کڑھنے لگتا ہے۔" اگر انسان انعام الٰہی کا کچھ حصہ غریبوں اور

ضرورت مندوں کو دے دے تو یہ اللہ تعالیٰ کے انعام و فضل پر احسان مندی کا اظہار ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

ان الانسان لربه لكنود ○ وانه على ذ لک لشهيد ○
وانه لحب الخير لشديد ○ (عادیات:٦۔٨)

بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے' وہ خود اس بات کا گواہ ہے اور وہ اچھی چیزوں (مال و دولت) کی محبت بہت شدت سے کرتا ہے۔

(۲) "کفر" بمقابلہ "ایمان"

ہم اس فصل میں "کفر" کے لفظ کے استعمال کی چند ایسی مثالیں دیں گے جہاں یہ لفظ "ایمان" کے عین متضاد کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ہم یہاں شروع میں ہی یہ کہتے چلیں کہ اللہ کی نشانیاں (آیات) جن کا گذشتہ فصل میں ایسے انعامات اور نعمتوں کے طور پر ذکر ہوا تھا جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر کیے ہیں' اور جو انسان سے احسان مندی کا تقاضا کرتے ہیں' انھیں اللہ کی عظمت کے اظہار سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس دوسرے مفہوم میں قدرتی طور پر "آیات" انسانوں کے دلوں میں حیرت' خشیت' اور خوف کے جذبات پیدا کرتی ہیں اور مشیت الٰہی پر ایمان کا سبب بنتی ہیں' نتیجتہً جو ایسا کرنے سے انکار کرتا ہے وہ کافر ہے۔

يا اهل الكتب لم تكفرون بايت الله و انتم تشهدون ○
(آل عمران:٧٠)

اے اہل کتاب' اللہ کی نشانیوں (آیات) کا انکار (کفر) کیوں کرتے ہو حالانکہ تم خود اس کے گواہ ہو۔

ولقد صرفنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل' فابی اکثر الناس الاکفورا ○ (بنی اسرائیل۔ ۸۹)
ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کی امثال (تشبیہات) بیان کی ہیں۔ پھر بھی اکثر لوگ انکار کیے بغیر نہ رہے۔

اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنھما و جلعنا من الماء کل شئی حی' افلا یومنون ○ و جعلنا فی الارض رواسی ان تمیدبھم و جعلنا فیھا فجاجا سبلا لعلھم یھتدون ○ و جعلنا السماء سقفا محفوظا و ھم عن آیتھا معرضون (الانبیاء۔ ۳۰۔ ۳۲)
کیا یہ لوگ جو انکار کرتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے' پھر ہم نے ان دونوں کو کھول کر علیحدہ کر دیا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا۔ کیا یہ پھر ایمان نہیں لائیں گے' اور ہم نے زمین پر مضبوط پہاڑ گاڑ دیے تاکہ زمین ان کے ساتھ ہلنے نہ لگے اور ہم نے ان پہاڑوں میں کھلے راستے بنائے تاکہ لوگ راہ پاسکیں اور ہم نے آسمان کو ایک مضبوط چھت بنایا اور یہ لوگ ان کی نشانیوں سے پھر بھی پھرے ہوئے ہیں۔

کیف تکفرون باللّٰہ و کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون (البقرہ۔ ۲۸)

تم اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو جب کہ تم بے جان تھے' اس
نے جان ڈالی۔ پھر وہ تمھیں مارے گا' پھر زندہ کرے گا اور
تم اسی کی طرف لوٹو گے۔

بعض اوقات کفر کا تعلق آخرت اور حشر کے عقیدے سے ہوتا ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات ہیں' یہاں کفر کا مطلب ہے اس عقیدے کو بالکل فضول اور تخیلاتی قرار دے کر اسے قبول کرنے سے انکار کرنا۔ یہاں کفر کا تعلق شکر گزاری کے جذباتی ردعمل سے ہرگز نہیں ہے بلکہ اس سوال سے ہے کہ آیا عقیدہ آخرت عقلی طور پر قابل قبول ہے۔ کافر وہ لوگ ہیں جو اس مسئلے میں صریحاً" عقل کا ساتھ دیتے ہیں اور وحی کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

وقالوا ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین'
ولو تری اذ وقفوا علی ربھم' قال الیس ھذا بالحق'
قالوا بلی وربنا قال فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون
(الانعام ۲۹۔ ۳۰)

اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اس دنیا کی ہے اور
ہم دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے' اگر تم دیکھو جب وہ
اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے' اللہ پوچھے گا
کیا یہ حقیقت نہیں ہے تو وہ کہیں گے بے شک ہمارے
رب کی قسم۔ اللہ کہے گا کہ تم جو انکار کرتے رہے اب اس
کا عذاب چکھو۔

ء اذا کنا عظاما ورفاتا ء انا لمبعوثون خلقا جدیدا اولم
یروا ان اللّٰہ الذی خلق السموت والاض قادر علی ان
یخلق مثلھم و جعل لھم اجلالا ریب فیہ فابی

الظلمون الاکفورا (بنی اسرائیل ۹۸۔ ۹۹)

ہم جب ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں از سر نو پیدا کر کے زندہ کیا جائے گا؟ کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کیے وہ کیا اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے لوگ پیدا کر سکے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس نے ان کے لیے ایک مدت مقرر کر رکھی ہے۔ اس پر بھی ظالم لوگ انکار کیے بغیر نہیں رہتے۔

وان تعجب فعجب قولھم ء اذا کنا ترابا ء انا لفی خلق جدید اولئک الذین کفروا بربھم و اولئک الاغلال فی اعناقھم و اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون (الرعد۔ ۵)

اگر آپ کو تعجب ہے تو واقعی ان کا کہنا عجیب ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا از سرنو پیدا کیے جائیں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کا انکار کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے۔ اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں جہاں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ان کا عقیدہ کفر حشر و آخرت تک محدود نہیں۔ انھیں ہر دم شک کا کانٹا چبھتا رہتا ہے اور ہر ایسی چیز کو موک قرار دیتے رہتے ہیں' جو ان کی دانست میں اس تصور کے متضاد ہے جسے وہ معقول سمجھتے ہیں۔ وہ پیدائشی طور پر شک کرنے والے ہیں۔ شک کے جس رویے سے یہ لوگ متصف ہیں وہ ایمان کے اس عمل کی قطعی ضد ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو غیر مشروط طور پر تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک ایسے آدمی کو اللہ کا رسول ماننے کو تیار نہیں جو انہی میں سے ایک ہے' جو عام خوراک کھاتا ہے اور انہی کی طرح چلتا پھرتا ہے۔ ان

کے شکی ذہن کے لیے یہ بات عقل کے خلاف لگتی ہے کہ ایسا عام آدمی جو کسی شرف و وقار کا دعویٰ نہیں رکھتا خود کو پیغمبرانہ اقتدار سے کیسے منسوب کر سکتا ہے۔ کیا ہم اپنے میں کے ایک عام آدمی کی اطاعت کریں؟ تب تو ہم یقیناً" غلطی پر ہیں۔ کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم سب میں سے ایک آدمی پر وحی نازل ہو؟ نہیں یہ شخص ضرور جھوٹا اور بر خود غلط ہے۔ (۴۹: ۲۴۔ ۲۵)

چنانچہ جب یہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ خدا صرف ایک ہے اور باقی تمام خدا صرف (لوگوں کے رکھے ہوئے) نام ہیں تو غیظ و غضب کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے کیونکہ جو عقیدہ یہ شخص پیش کر رہا ہے وہ بت پرستوں کے لیے بے معنی اور فضول بات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

و عجبوا ان جاء هم منكر منهم وقال الكفرون هذا
سحر كذاب اجعل الالهه الها واحدا ان هذا لشيئى
عجاب (ص: ۴۔ ۵)

اور ان لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان کے پاس ایک ڈرانے والا آیا ہے اور یہ منکر لوگ کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے' جھوٹا ہے۔ کیا اس نے اتنے خداؤں کا ایک خدا بنا دیا ہے؟ واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔

شکی ذہنوں کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی' دعوت کے بارے میں ہمیشہ مشکل میں ڈالنے والے سوالات کرتے ہیں' اور حقیقت الہیہ کے بارے میں آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں۔

ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسی من قبل
ومن يتبدل الكفر بالايمان فقد ضل سواء السبيل
(البقرہ۔ ۱۰۸)

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اسی طرح سوال کرتے رہو جیسے اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ سے کیے گئے تھے۔ جو شخص ایمان کی جگہ انکار کرے تو بے شک وہ صحیح راستے سے بھٹک گیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اور اس کی وحی کے بارے میں فضول حجت بازی اور تکرار کو اکثر کفر کے اظہار کی خصوصیت بتایا گیا ہے۔ اس قسم کی حیص بیص کی صحیح تشبیہ "جدل" کے لفظ میں ملتی ہے جس کے ابتدائی معنی (رسی وغیرہ) بٹنا ہے۔

ما یجا دل فی آیت اللّٰہ الا الذین کفروا فلا یغررک تقلبھم فی البلاد کذبت قبلھم قوم نوح والا حزاب من بعدھم و ھمت کل امہ برسولھم لیاخذوہ و جادلوا بالباطل لید حضوابہ الحق فاخذتھم فکیف کان عقاب (المومن ۴۔ ۵)

اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو ان کے منکر ہیں۔ ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے۔ ان سے پہلے نوح کی قوم اور دوسرے گروہوں نے بھی جو ان کے بعد آئے جھٹلایا تھا۔ ہر قوم نے اپنے رسول کو پکڑنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ ناحق جھگڑا کرے تاکہ اس طرح وہ سچائی کو گڈمڈ کر سکیں، میں نے ان کو آ پکڑا اور ان کو کیسی سزا ہوئی۔

ومانرسل المرسلین الامبشرین و منذرین و یجادل الذین کفر وا بالباطل لیدحضوابہ الحق واتخذوا آیتی وما انذروا ھزوا (الکہف۔ ۵۶)

ہم رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں اور جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ ان سے ناحق جھگڑا کرتے ہیں تاکہ سچائی کو گڈمڈ کر سکیں' انھوں نے میری آیات اور ڈرانے کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔

ومن الناس من یجادل فی اللّٰہ بغیر علم ولاھدی ولاکتب منیر ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللّٰہ لہ فی الدنیا خزی و نذیقہ یوم القیمہ عذاب الحریق (الحج : ۸۔۹)

اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں کسی علم' دلیل اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں۔ وہ (اس اعراض اور) تکبر کے ذریعے دوسروں کو اللہ کی راہ سے بھٹکانا چاہتے ہیں۔ ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے' اور قیامت کے دن ہم اسے جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔

الم تروا ان اللّٰہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاہرہ و باطنہ۔ ومن الناس من یجادل فی اللّٰہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتب منیر (لقمان۔ ۲۰)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہر میں اور باطن میں پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جو علم' دلیل اور کسی روشن کتاب کے بغیر

جھگڑا کرتے ہیں۔

اگرچہ ان آیات میں سے بعض میں کفر کا لفظ استعمال نہیں ہوا لیکن سیاق و متن سے واضح ہو جاتا ہے کہ "من یجادل" (جو جھگڑا کرتا ہے) سے مراد کافر ہی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے۔ ان میں سے پہلی آیت معنویاتی منہج کے لحاظ سے خصوصی دلچسپی کی حامل ہے کیونکہ اس میں اس قسم کے جھگڑے اور تکرار کو ذہن کا تکبر اور غرور بتلایا گیا ہے' جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے' یہ تکبر' کفر کا امتیازی نشان ہے۔ ہم آگے چل کر اس میں مزید بات کریں گے۔

الذین یجادلون فی آیت اللّٰہ بغیر سلطان اتھم۔ کبر مقتا عنداللّٰہ و عند الذین آمنوا کذلک یطبع اللّٰہ علی کل قلب متکبر جبار۔ (المومن۔ ۳۵)

جو لوگ بغیر کسی سند کے اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں' اس سے اللہ تعالیٰ اور مومنین کو سخت نفرت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مغرور اور جابر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

و لما ضرب ابن مریم مثلًا اذا قومک منه یصدون وقالواء الهتنا خیر ام هو۔ ما ضربوه لک الا جدلا بل هم قوم خصمون (الزخرف۔ ۵۷۔ ۵۸)

اور جب ابن مریم (حضرت عیسیٰؑ) کی مثال دی گئی تو تمھاری قوم نے اس سے منہ پھیر لیا۔ انھوں نے کہا کیا ہمارا خدا بہتر ہے یا وہ۔ انھوں نے یہ مثال محض جھگڑنے کے لیے دی ہے۔ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

و یعلم الذین یجادلون فی آئیتنا مالھم من محیص
(الشوری۔ ۳۵)
جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں'
انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اب ان کے لیے کوئی پناہ
نہیں۔

اس قسم کے بے شمار واقعات بیان کر کے اللہ تعالیٰ خود یہ نتیجہ پیش کرتے ہیں کہ تمام مخلوقات میں سے انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

ولقد صرفنا فی ھذا القرآن للناس من کل مثل۔ و
کان الانسان اکثر شئی جدلا (الکھف۔ ۵۴)
اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہدایت کے لیے ہر طرح
سے مثالیں دیں لیکن انسان تو جھگڑا کرنے میں سب سے
بڑھ کر ہے۔

ذیل میں ہم ان بے شمار آیات میں سے جن میں کفر کا لفظ استعمال ہوا ہے' مثال کے طور پر چند کا ذکر کریں گے جو ایمان اور کفر کے درمیان معنوی تضاد کو خصوصی طور پر صراحت سے بیان کرتی ہیں۔ بالفاظ دیگر ان آیات میں کفر' "شکر گزاری" کی بجائے "ایمان" کے متضاد کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

ود کیثر من اھل الکتب لو یردونکم من بعد ایمانکم
کفارا حسدا من عند انفسھم من بعد ماتبین لھم
الحق۔ فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللّٰہ بامرہ ان اللّٰہ
علی کل شئی قدیر (البقرہ۔ ۱۰۹)
ان اہل کتاب میں سے اکثر دل سے چاہتے ہیں کہ تمھیں
ایمان لانے کے بعد پھر سے کافر بنا ڈالیں' محض اپنے دلی
حسد کی بنا پر۔ جب کہ سچی بات ان پر واضح ہو۔ ان کو

معاف کر دو اور درگزر کر دو۔ تاکہ اللہ اپنے حکم کے ساتھ آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

کیف یهدی الله قوما کفروا بعد ایمانهم وشهدوا ان الرسول حق و جاء هم البینات' والله لایهدی القوم الظلمین (آل عمران: ۸٦)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ انھوں نے اقرار کیا تھا کہ رسول سچا ہے اور ان تک واضح دلائل پہنچ چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

ان الذین کفروا بعد ایمانهم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتهم' واولئک هم الضالون (آل عمران: ۹۰)

بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا' پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے' ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ یہ لوگ تو گمراہ ہیں۔

وقال الذین کفروا لن نومن بهذا القرآن ولا بالذی بین یدیه ولو تری اذالظلمون موقوفون عندربهم یرجع بعضهم الی بعض القول یقول الذین استضعفوا للذین استکبروا لولاانتم لکنا مومنین (سبا۔ ۳۱)

اور کافروں نے کہا ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر۔ اور اگر آپ ان ظالموں کو اس وقت دیکھ لیں جب یہ اپنے رب کے ساتھ سامنے کھڑے ہوں گے تو یہ بات ایک دوسرے پر ڈالیں

گے۔ کمزور لوگ طاقت ور سے کہیں گے' اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے۔

فلما جاء هم ما عرفوا كفروابه' فلعنه الله على الكفرين' بئسما اشتروا به انفسهم ان يكفروا بما انزل الله بغيا ان بنزل الله من فضله على من يشاء من عباده۔ فباء و بغضب على غضب وللكفرين عذاب مهين۔ واذا قيل لهم آمنوا بما انزل الله قالوا نومن بما انزل علينا و يكفرون بما وراء ه و هوالحق مصدقا لما معهم (البقرہ۔ ۸۹۔۹۱)

جب ان کے پاس وہ چیز آگئی جسے وہ جانتے تھے تو ان کا انکار کر دیا۔ کافروں پر اللہ کی لعنت۔ انھوں نے اپنی جانوں کا کتنا برا سودا کیا ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ سچائی سے انکار کرتے ہیں محض اس ضد میں کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل نازل کرتا ہے۔ وہ اپنے پر غضب پر غضب لاتے رہے' اور کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب ہے۔ جب ان سے کہا جائے کہ جو اللہ نے بھیجا ہے اس پر ایمان لے آؤ' وہ کہتے ہیں ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا اور اس کے علاوہ کسی چیز کو نہیں مانتے حالانکہ یہ وہ سچائی ہے جو اس کی بھی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے۔

ان شرالدواب عندالله الذين كفروا فهم لا يومنون' الذين عاهدت منهم ثم ينقضون عهدهم فى كل مرة وهم لا يتقون (الانفال: ۵۵۔۵۶)

اللہ کے ہاں سب سے بدتر جاندار وہ ہیں جنھوں نے انکار کیا
اور پھر ایمان نہیں لاتے۔ جن سے آپ نے معاہدہ کیا تو
انھوں نے ہر بار معاہدہ توڑ دیا اور وہ ڈرتے نہیں۔

(۳) کافر دل

قرآن کریم کی متعدد آیات میں کافر کی ذہنی حالت بیان کی گئی ہے۔ ان آیات میں کفر کی ذہنی ساخت کے ذکر میں مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات بہت اہم ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیے کہ مومن کے قلوب کی یہ خاصیت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے ذکر میں اطمینان اور سہانا سکون پاتے ہیں۔

الذین آمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ الا بذکر اللّٰہ
تطمئن القلوب (الرعد ۔ ۲۸)

جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر میں اطمینان
پاتے ہیں بلکہ اللہ کے ذکر میں ہی ان کے دلوں میں آرام
اور سکون ملتا ہے۔

قلب مومن کی اس پرسکون اور مطمئن حالت کے برعکس کافر کے دل کو اکثر پتھر کی طرح سخت بیان کیا گیا ہے۔ "قست قلوبھم" (ان کے دل سخت ہیں یا سخت ہو گئے ہیں) کا جملہ قرآن کریم میں بار بار کافر کے دل کی کیفیت بیان کرنے کے لیے ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی یہ ایسے دل ہیں کہ جو اللہ کی دعوت کو اپنی ضد سے ٹھکرا دیتے ہیں حالانکہ اس آواز سے پہاڑ تک ہل جاتے ہیں اور زمین پھٹ جاتی ہے۔ (۱۳: ۳۰)' اور اگرچہ ہم نے ان کے پاس فرشتہ بھی بھیجے ہیں اور مردہ لوگوں نے بھی ان سے باتیں کیں ہیں۔ (۶:۳)

ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد

قسوة وان من الحجارة لما يتفجر منه الانهر وان منها
لما يشقق فيخرج منه الماء وان منها لما يهبط من
خشيته اللّٰہ وما اللّٰہ يغافل عما تعملون (البقرہ: ۷۴)

پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھر تو بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے۔ اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور خدا تمھارے عملوں سے بے خبر نہیں۔

فيما نقضهم ميثاقهم لعنهم و جعلنا قلوبهم قسيته
(المائدہ۔ ۱۳)

تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

یاد رہے کہ آخری آیت میں دلوں کے سخت ہونے کو اللہ نے اپنی مشیت کی طرف منسوب کر کے یہ بتایا ہے کہ کافروں کو ان کے کیے کا حساب دینا ہوگا۔ یہ نکتہ جبر و قدر (تقدیر اور اخلاقی آزادی) کے نظریے سے تعلق رکھتا ہے، مسلمانوں کے ہاں علم الکلام میں اس سوال پر ہمیشہ جدل و مناظرہ کا بازار گرم رہا ہے کہ کیا تمام برائیاں (شر) جن میں کفر بھی شامل ہے، اللہ کی طرف منسوب کی جا سکتی ہیں؟ جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے وہ اس سوال پر بحث نہیں کرتا۔ قرآنی آیات جن میں اس نازک مسئلے کا ذکر ہے ان کی تعبیر دونوں طرح سے کی جا سکتی ہے۔ اس بظاہر نظری معمے کا حل ہمارے موضوع کے دائرہ کار سے بھی خارج ہے۔

کافر کے دل کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس پر پردہ پڑا ہوا ہے (فی اکنۃ) یعنی اس پر مکمل پردہ یا جزوی پردہ (حجاب) ہے جو اسے وحی الٰہی سے الگ رکھتا ہے۔

کتب فصلت ایته قرانًا عربیًا لقوم یعلمون ○ بشیراً و نذیراً فاعرض اکثرهم فهم لایسمعون ○ وقالوا قلوبنافی اکنته مماتدعو نا الیه و فی اذاننا و قرومن بیننا و بینک حجاب فاعمل اننا عملون (حم السجدہ۔ ۳۔ ۵)

(ایسی) کتاب جس کی آیتیں واضح (المعانی) ہیں (یعنی) قرآن عربی ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ جو بشارت بھی سناتا ہے اور خوف بھی دلاتا ہے لیکن ان میں سے اکثروں نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (یعنی بہرا پن) ہے اور ہمارے اور تمھارے درمیان پردہ ہے تو تم (اپنا) کام کرو ہم (اپنا) کام کرتے ہیں۔

و اذا قرآت القرأن جعلنا بینک و بین الذین لا یومنون بالاخرة حجابًا مستوراً ○ وجعلنا علی قلوبهم اکنته ان یفقهوه و فی اذانهم و قراً و اذا ذکرت ربک فی القرآن وحده ولوا علی ادبارهم نفوراً (بنی اسرائیل: ۴۵۔ ۴۶)

اور جب تم قرآن پڑھا کرتے ہو تو ہم تم میں اور ان لوگوں

ہوا
حی

میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے حجاب پر حجاب کر دیتے ہیں' اور ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب تم قرآن میں اپنے پروردگار یکتا کا ذکر کرتے ہو تو وہ بدک جاتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

اسی بات کو قرآن کریم میں مختلف پیرایوں سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً اس بات کو "دلوں پر مہر" کے استعارے سے اس طرح کہا گیا:

ان الذین کفروا سواء علیھم ء انذرتھم الم تنذرھم لایؤمنون ○ ختم اللّٰہ علی قلوبھم و علی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم (البقرہ: ۶-۷)

جو لوگ کافر ہیں انھیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لیے برابر ہے' وہ ایمان نہیں لانے کے' خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔

رضوا بان یکونوا مع الخوالف وطبع اللّٰہ علی قلوبھم فھم لایعلمون (التوبہ: ۹۳)

(یعنی) اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں بیٹھ) رہیں۔ خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے پس وہ سمجھتے ہی نہیں

رضوا بان یکونوا مع الخوالف وطبع علی قلوبهم فهم
لا یفقهون (التوبہ : ۸۷)

یہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں بیٹھ) رہیں' ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے مگر یہ سمجھتے ہی نہیں۔

یا پھر اس بات کو یہ کہہ کر بیان کیا گیا کہ ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں:

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها (محمد: ۲۴)

بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں

یا پھر اسی بات کو "پردہ" (۳) کی تشبیہ سے بیان کرتے ہیں:

و قالوا قلوبنا غلف بل لعنهم اللّٰه بکفر هم فقلیلًا ما
یومنون (البقرہ : ۸۸)

اور کہتے ہیں ہمارے دل پردے میں ہیں (نہیں) بلکہ خدا نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے' پس یہ تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

یا پھر اسے یوں بیان کیا گیا کہ دل پر آہستہ آہستہ زنگ لگ گیا ہے۔

کلابل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون (المطففین : ۱۴)

ہرگز نہیں' بلکہ ان کے دلوں پر اعمال بد کی وجہ سے زنگ بیٹھ گیا ہے۔

اللہ کی نازل کردہ آیات میں جو گہرے معانی پوشیدہ ہیں انھیں اہل دل (ق ۔ ۳۷) آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحی کے الفاظ ان کی یادوں

زہ کر ڈالتے ہیں لیکن کفار جن کے دل پردوں اور رکاوٹوں کی وجہ سے کسی شئے کی دینی اہمیت کو سمجھ نہیں پاتے وہ آیات الٰہی کے سامنے اندھے اور بہرے ہیں۔ کافر کی خصوصیات اور امتیازی صفات بیان کرنے کے لیے قرآن کریم میں اندھے اور بہرے کی تشبیہ بہت کثرت سے استعمال ہوئی ہے۔

ولقد مکنهم فیما ان مکنکم فیه وجعلنا لهم سمعًا و ابصاراً و افئدة فما اغنی عنهم سمعهم ولآ ابصارهم ولا افئدتهم من شی ء اذکانوا یجحدون بایت الله و حاق بهم ماکانوابه یستهزؤن (الاحقاف:٢٦)

اور ہم نے ان کو ایسے مقدور دیئے تھے جو تم لوگوں کو نہیں دیے' اور انھیں کان اور آنکھیں اور دل دیے تھے۔ سو جب کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اس لیے نہ تو ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آسکے اور نہ آنکھیں اور نہ دل اور جس چیز سے استہزا کیا کرتے تھے اس نے ان کو آگھیرا۔

گویا جسمانی طور پر کفار میں کوئی عیب نہیں' ان کے پاس سمجھنے کے لیے دل' سننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں تو ہیں لیکن ان کے سینوں میں جو دل ہیں وہ ناقص ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت سے یہ بات مزید واضح ہوتی ہے۔

افلم یسیروا فی الارض فتکون لهم قلوب یعقلون بها او اذان یسمعون بها فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (الحج:٤٦)

کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی تاکہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ ان سے سمجھ سکتے۔ اور کان (ایسے) ہوتے کہ ان سے سن سکتے۔ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی

نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔

یا یہا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ و رسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون ○ ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا و ھم لا یسمعون ○ ان شر الدو آب عند اللّٰہ الصم البکم الذین لا یعقلون ○ و لوعلم اللّٰہ فیھم خیراً لاسمعھم ولوا سمعھم لتولوا و ھم معرضون (الانفال: ۲۰۔ ۲۳)

اے ایمان والو! خدا اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور اس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو۔ اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو کہتے ہیں کہ ہم نے (حکم خدا) سن لیا مگر (حقیقت میں) نہیں سنتے۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تمام جانداروں سے بدتر بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔ اور اگر خدا ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق بخشتا۔ اور اگر (بغیر صلاحیت ہدایت کے) سماعت دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے۔

چنانچہ ان کو ایمان کی طرف بلانے کی جتنی بھی کوششیں کی جائیں یقیناً بے کار جائیں گی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں اکثر حضرت محمدؐ کو فہمائش کی جاتی ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے پیغمبرانہ شفقت بے کار ہے کیونکہ ان کی ہدایت کا ناممکن ہونا بالکل یقینی ہے۔

ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او یعقلون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلاً (الفرقان: ۴۴)

یا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں

(نہیں) یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

انک لاتسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا و لوا مدبرین ○ وما انت بھدی العمی عن ضللتھم ان تسمع الامن یومن بایتنا فھم مسلمون (النمل: ۸۰-۸۱)

کچھ شک نہیں کہ تم مردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں آواز سنا سکتے ہو۔ اور نہ اندھوں کو گمراہی سے (نکال کر) رستہ دکھا سکتے ہو۔ تم تو ان ہی کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔

فانک لاتسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا و لوا مدبرین ○ وما انت بھدالعمی عن ضللتھم ان تسمع الامن یومن بایتنا فھم مسلمون (الروم: ۵۲-۵۳)

تو تم مردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں آواز سنا سکتے ہو۔ اور نہ اندھو کو ان کی گمراہی سے (نکال کر) راہ راست پر لا سکتے ہو۔ تم تو انہی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ سو وہی فرماں بردار ہیں۔

ومنھم من یستمعون الیک افانت تسمع الصم ولو

كانوا لا يعقلون ○ ومنهم من ينظر اليک افانت تهدى
العمى ولوكانوا لا يبصرون (یونس: ۴۲- ۴۳)
اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ تمھاری طرف کان لگاتے ہیں
تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے اگرچہ کچھ بھی (سنتے) سمجھتے نہ ہو
اور بعض ایسے ہیں کہ تمھاری طرف دیکھتے ہیں۔ تو کیا تم
اندھوں کو رستہ دکھاؤ گے اگرچہ کچھ بھی دیکھتے (بھالتے) نہ
ہوں۔

دل پر پردہ پڑے ہونے کی وجہ سے ایک کافر اگرچہ قرآن کریم کی تلاوت سنتا ہے اور نبی اکرمؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے لیکن وہ اللہ کی آیات کو کماحقہ سمجھ نہیں سکتا۔ اس کے لیے آیات الٰہی بوڑھے لوگوں کی سنائی ہوئی کہانیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔

ومنهم من يستمع اليک و جعلنا على قلوبهم اكنته ان
يفقهوه و فى اذانهم و قرا وان يروا كل ايته لا يومنوابها
حتى اذاجاء وک يجاد لونک يقول الذين كفروا ان هذا
الا اساطير الاولين (الانعام: ۲۵)
اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ تمھاری (باتوں کی) طرف
کان رکھتے ہیں۔ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال
دیے ہیں کہ ان کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ثقل پیدا کر
دیا ہے (کہ سن نہ سکیں) اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ
لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں۔ یہاں تک کہ جب
تمھارے پاس تم سے بحث کرنے کو آتے ہیں تو جو کافر ہیں
کہتے ہیں یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں، صرف پہلے لوگوں
کی کہانیاں ہیں۔

قرآن کریم میں کفار کو اسلام کی دعوت دینے والے کو ایسے گڈریے کے مشابہ قرار دیا گیا ہے جو اپنے گلے کو چیخ چیخ کر بلاتا ہے۔ جانور اس کی صرف آواز سنتے ہیں لیکن اس کے الفاظ کے معانی کے نہیں سمجھتے۔

و مثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لایسمع الادعاء و نداء صم بکم عمی فھم لا یعقلون (البقرہ : ۱۷۱)

جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔ (یہ) بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں کہ (کچھ) سمجھ ہی نہیں سکتے۔

(۴) کفر بطور شرک

چونکہ کفر کے دونوں بنیادی مفاہیم یعنی "ناشکرا پن" اور "عدم ایمان" بالآخر اللہ تعالیٰ کی مطلق وحدانیت کے انکار پر منتج ہوتے ہیں' اس لیے قدرتی طور پر ایک لحاظ سے کفر کو شرک کا ہم معنی قرار دیا جاسکتا ہے۔ قدیم عرب میں شرک سے مراد بتوں کی پوجا' اور بہت سے دیوی دیوتاؤں کی عبادت تھی جنھیں کبھی خدا کے بیٹے بیٹیاں کہا جاتا' کبھی خدا کے ساتھی اور شریک قرار دیا جاتا تھا۔ اس قسم کے عقیدے کے لیے عام طور پر شرک کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی اور بت پرست کو مشرک کہا جاتا تھا یعنی ایسا شخص جو خدا کا شریک ٹھہراتا تھا۔ چنانچہ معنویاتی لحاظ سے مندرجہ ذیل دو مساوات بنتی ہیں۔

کفر = شرک

کافر = مشرک

سب سے پہلے ہم ان آیات کا ذکر کرتے ہیں جہاں کفر کا ذکر شرک کے

معنوں میں کیا گیا ہے۔

الحمد للّٰہ الذی خلق السمٰوت و الارض و جعل الظلمت والنور ثم الذین کفروا بر بھم یعدلون (الانعام:۱)

ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے' جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ور اندھیرا اور روشنی بنائی' پھر بھی کافر (اور چیزوں کو) خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

افمن ھوقائم علی کل نفس بما کسبت وجعلوا للّٰہ شرکاء قل سموھم ام تنبؤنہ بمالا یعلم فی الارض ام بظاہر من القول بل زین للذین کفروا مکرھم و صدواعن السبیل و من یضلل اللّٰہ فمالہ من ھاد (الرعد: ۳۳)

تو کیا جو (خدا) ہر متنفس کے اعمال کا نگران (و نگہبان) ہے (وہ بتوں کی طرح بے علم و بے خبر ہو سکتا ہے) اور ان لوگوں نے جو خدا کے شریک مقرر کر رکھے ہیں' ان سے کہو کہ (ذرا) ان کے نام تو لو۔ کیا تم اسے ایسی چیزیں بتاتے ہو جس کو وہ زمین میں (کہیں بھی) معلوم نہیں کرتا یا (محض) ظاہری (باطل اور جھوٹی) بات کی (تقلید کرتے ہو) اصل یہ ہے کہ کافروں کو ان کے فریب خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ اور وہ (ہدایت) کے رستے سے روک لیے گئے ہیں۔ جسے خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔

ذلکم بانہ اذا دعی اللّٰہ وحدہ کفر تم وان یشرک بہ
تومنوا فالحکم للّٰہ العلی الکبیر (المومن:۱۲)
یہ اس لیے کہ جب تنہا خدا کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے
تھے۔ اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تسلیم
کر لیتے تھے۔ تو حکم تو خدا ہی کا ہے جو (سب سے) اوپر اور
(سب سے) بڑا ہے۔

شرک کے بنیادی عناصر کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل آیت غالبًا سب سے اہم ہے۔

وجعلوا للّٰہ شرکاء الجن و خلقھم و خرقوالہ بنین و
بنت بغیر علم سبحنہ و تعلٰی عما یصفون (الانعام:
۱۰۰)
اور ان لوگوں نے جنوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا۔ حالانکہ ان
کو اسی نے پیدا کیا اور بے سمجھے (جھوٹ بہتان) اس کے
لیے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں' وہ ان باتوں سے جو اس
کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے اور (اس کی شان ان
سے) بلند ہے۔

اگلی آیت میں لفظ مشرک کے معنویاتی عناصر کا تعین دو بنیادی باتوں سے کیا گیا ہے۔ (۱) وحی الٰہی کی پیروی نہ کرنا' (۲) توحید الٰہی کو تسلیم نہ کرنا۔

اتبع ما اوحی الیک من ربک لا الہ الا ھو و اعرض عن
المشرکین (الانعام:۱۰۶)
اور جو حکم تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس
آتا ہے اس کی پیروی کرو۔ اس (پروردگار) کے سوا کوئی
معبود نہیں۔ اور مشرکوں سے کنارہ کر لو۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت محمدؐ نے توحید کامل کا جو عقیدہ پیش کیا اس کی رو سے عیسائیوں کا نظریہ **تثلیث** بھی کھلی بت پرستی ہے۔ اس طرح حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت بھی بت پرستی ہے۔ غور کریں کہ مندرجہ ذیل آیات میں عیسائیت کی ان مرکزی تعلیمات کو کفار کے اعمال قرار دیا گیا ہے۔ معنویاتی طریق سے اس بات کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ اعمال شرک سے مماثلت کی وجہ سے کفر کے درجے میں داخل ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ھو المسیح ابن مریم و قال المسیح یبنی اسرائیل اعبدوا اللّٰہ ربی و ربکم انہ من یشرک باللّٰہ فقد حرم اللّٰہ علیہ الجنتہ و ماواہ النار وما للظلمین من انصار ○ لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ثالث ثلثتہ و مامن الہ الا الہ واحد وان لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروامنھم عذاب الیم (المائدہ: ۷۲-۷۳)

وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے (عیسیٰ) مسیح خدا ہیں۔ حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص خدا کے ساتھ شرک کرے گا خدا اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال (و

عقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔

ایک اور زاویے سے دیکھا جائے تو شرک درحقیقت جعل سازی ہے' یہ اللہ تعالیٰ کے خلاف افترا ہے' کیونکہ ظاہر ہے کہ بت پرستی یا شرک کا مطلب ہے حرص و ہوا کی بنیاد پر ایسی چیزوں کی تخلیق جو درحقیقت خود کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ چنانچہ اس راستے سے بھی شرک کے ڈانڈے بالاخر کفر سے جا ملتے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

قالوا اتخذ اللّٰه ولداً سبحنه هو الغنی له مافی السمٰوت و مافی الارض ان عندکم من سلطن بهذا اتقولون علی اللّٰه مالا تعلمون ○ قل ان الذین یفترون علی اللّٰه الکذب لایفلحون ○ متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعهم ثم نذیقهم العذاب الشدید بما کانوا یکفرون

(یونس: ۶۸-۷۰)

(بعض لوگ) کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنا لیا ہے۔ اس کی ذات (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے (اے افترا پردازو) تمھارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ تم خدا کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو جانتے نہیں۔ کہہ دو کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں' فلاح نہیں پائیں گے۔ (ان کے لیے جو) فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔

اس آیت میں (کافر (یعنی کافر = مشرک) کا موازنہ ایک ایسے شخص سے کیا جا رہا ہے جو صحرا میں پانی کے بجائے سراب کی طرف بے مقصد ہاتھ بڑھا رہا ہو۔

له دعوة الحق والذين يدعون من دونه لايستجيبون لهم بشئى الا كباسط كفيه الى الماء ليبلغ فاه وما هوببالغه و مادعاء الكفرين الا فى ضلل (الرعد: ۱۴)

سود مند پکارنا تو اسی کا ہے اور جن کو یہ لوگ اس کے سوا پکارتے ہیں' وہ ان کی پکار کو کسی طرح قبول نہیں کرتے' مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے تاکہ وہ (دور ہی سے) اس کے منہ تک آپہنچے۔ حالانکہ وہ (اس تک کبھی بھی) نہیں آسکتا اور (اسی طرح) کافروں کی پکار بیکار ہے۔

والذين كفروا اعمالهم كسراب بقيعته يحسبه الظمان ماء حتى اذاجاء ه لم يجده شيئا و وجد الله عنده فوفه حسابه و الله سريع الحساب (النور: ۳۹)

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے' جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے' یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے' تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور خدا ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اس کا حساب پورا پورا چکا دے۔ اور خدا جلد حساب کرنے والا ہے۔

اگلی آیت میں ایک اور موازنہ پیش کیا گیا ہے جس میں کافر اور مشرک کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو گہرے اور وسیع سمندر میں تہ در

تہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے۔

او کظلمت فی بحر لجی یغشه موج من فوقه موج من فوقه سحاب ظلمت بعضها فوق بعض اذا اخرج یده لم یکدیرها ومن لم یجعل اللّٰه له نوراً فماله من نور (النور: ۴۰)

یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر (آرہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو' غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں' ایک پر ایک (چھایا ہوا)' جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے۔ اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)

ذیل کی آیت میں مشرک کے اعمال کی حقیقی بے بضاعتی کو ایک اور تشبیہ سے واضح کیا گیا ہے۔

حنفاء للّٰه غیر مشرکین به ومن یشرک باللّٰه فکانما خرمن السماء فتخطفه الطیراوتهوی به الریح فی مکان سحیق (الحج: ۳۱)

صرف ایک خدا کے ہو کر اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا کر۔ اور جو شخص (کسی کو) خدا کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے' پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔

کفر۔ شرک کے تعلق سے ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے۔ قرآن کریم میں شرک کو انجام کار ذہنی قوت کی اس کارکردگی سے منسوب کیا گیا ہے

جسے "ظن" یعنی گمان کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ قاعدہ کلیہ کے طور پر لفظ "علم" کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ "علم" سے مراد ہے حقیقت کی بنیاد پر ثابت اور مستحکم بات۔ اور "ظن" سے مراد ہے بے بنیاد' اور بے دلیل طرز فکر۔ غیر یقینی اور مشکوک معلومات' ناقابل اعتبار رائے یا صرف اٹکل۔ اس لحاظ سے قرآنی سیاق میں جہاں بھی یہ اصطلاح آئی ہے' وہاں اس سے منفی قدر مراد ہے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ اس کے برعکس "علم" کو مثبت قدر کا مقام حاصل ہے۔ قرآن کریم میں "ظن" اور "علم" دونوں قدری اصطلاحیں ہیں۔

الا ان للّٰہ من فی السمٰوٰت و من فی الارض وما یتبع الذین یدعون من دون اللّٰہ شرکاء ان یتبعون الاالظن وان ھم الا یخرصون (یونس: ٦٦)

سن رکھو کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو لوگ زمین میں ہیں سب خدا کے (بندے اور اس کے مملوک) ہیں۔ اور یہ جو خدا کے سوا (اپنے بنائے ہوئے) شریکوں کو پکارتے ہیں' وہ (کسی اور چیز کے) پیچھے نہیں چلتے' صرف ظن کے پیچھے چلتے ہیں اور محض اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔

اس آیت میں آخری لفظ یخرصون کا مادہ خرص ہے جس کے معنی ہیں' "غیر یقینی بلکہ تقریباً غلط رائے کی بنیاد پر کوئی بات کہنا۔" "خرص" بھی "علم" کے متضاد لفظ ہے۔ سورہ الذاریات کی دسویں آیت میں یہ لفظ مبالغے کے صیغے یعنی خراص کی شکل میں استعمال ہوا ہے' جس کا مطلب ہے ایسا شخص جو ہر دم اٹکل میں مشغول رہتا ہے۔ یہاں یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے کہ امام بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں لفظ خراص کے معنی کذاب بیان کیے ہیں۔ (۴) یعنی بہت بڑا جھوٹا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اٹکل اور اندازے سے بات کرنے کا تصور قدیم عرب کے معنویاتی شعور میں کتنی آسانی سے جھوٹ بولنے کے معانی

میں بدل جاتا تھا۔

قتل الخراصون ○ الذین ھم فی غمرۃ ساھون ○
یسئلون ایان یوم الدین (الذاریات: ۱۰۔ ۱۲)

اٹکل دوڑانے والے ہلاک ہوں۔ جو بے خبری میں بھولے ہوئے ہیں۔ پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب ہو گا؟

مندرجہ ذیل دو آیات ظن کے ان مخصوص معنوں میں استعمال کی مثالیں ہیں۔

ان الذین لا یومنون بالآخرۃ لیسمون الملئکتہ تسمیتہ الانثی ○ و مالھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن وان الظن لایغنی من الحق شیئا (النجم: ۲۷۔ ۲۸)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو (خدا کی) لڑکیوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں' حالانکہ ان کو اس کی کچھ خبر نہیں۔ وہ صرف ظن پر چلتے ہیں۔ اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔

وما یتبع اکثر ھم الا ظنًا ان الظن لایغنی من الحق شیئا ان اللہ علیم بما یفعلون (یونس۔ ۳۶)

اور ان میں کے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ ظن حق کے مقابلے میں کچھ بھی کار آمد نہیں ہو سکتا۔ بے شک خدا تمھارے (سب) افعال سے واقف ہے۔

اسی سورہ میں چند آیات پہلے مکے کی تین قدیم دیویوں لات' عزیٰ اور منات کا ذکر ان الفاظ میں ہے کہ یہ صرف خالی نام ہیں اور بے بنیاد اٹکل

(ظن) کی پیداوار ہیں۔

افرء یتم اللت والعزی ○ ومنوة الثالثته الاخری ○
الکم الذکروله الانثی ○ تلک اذا قسمته ضیزی ○ ان
ھی الا اسماء سمیتموھا انتم وابا ؤ کم ما انزل اللّٰه
بھامن سلطن ان یتبعون الا الظن وماتھوی الانفس
ولقد جاء ھم من ربھم الھدی (النجم: ۱۹۔ ۲۳)

بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ نام کہیں خدا کے ہوسکتے ہیں) (مشرکو!) کیا تمھارے لیے تو بیٹے ہوں اور خدا کے لیے بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے۔ وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں' خدا نے تو ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ یہ لوگ محض ظن (فاسد) اور خواہشات نفس کے پیچھے چل رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

(۵) تمسخر کا رویہ

قرآن کریم میں بار بار اس بات کا ذکر ہے کہ کفار اللہ اور اس کی وحی کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ تمسخر کا رویہ ان کی خصوصیت کے طور پر بیان ہوا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی تصویر' خصوصاً'' جو حضرت محمدؐ کے ذہن میں ابھرتی دکھائی دیتی ہے وہ لہو و لعب اور احمقانہ بے پروائی سے رنگین نظر آتی ہے۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ یہ بے پروائی ان کی مادیت پرستی کا نتیجہ تھی۔ ان لوگوں کے لیے جو اس ارضی زندگی کے بعد کسی زندگی کے قائل نہ تھے' ایک ایسا مذہب جو مستقبل کی ابدی زندگی کی تعلیم دے مضحکہ خیز تصور تھا۔ تمسخر کے اس

رویے کو بیان کرنے کے لیے قرآن کریم نے عموماً اتخذ ھزوا (مذاق بنانا اور استھزی (مذاق اڑانا) کے الفاظ استعمال کیے ہیں جن کا مادہ ھزء ہے۔ ذیل کی آیات معنویاتی لحاظ سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص انداز میں شرک۔ کفر اور استہزا کے معنوی رشتے کی قربت کو ظاہر کرتی ہے۔

فاصدع بماتومرو اعرض عن المشرکین ○
اناکفینک المستھزئین ○ الذین یجعلون مع اللّٰہ الٰھا
اخر فسوف یعلمون (الحجر: ۹۴۔ ۹۶)

پس جو حکم تم کو (خدا کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دو اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کرو۔ ہم تمھیں ان لوگوں (کے شر) سے بچانے کے لیے جو تم سے استہزا کرتے ہیں کافی ہیں۔ جو خدا کے ساتھ اور معبود قرار دیتے ہیں' سو عنقریب ان کو (ان باتوں کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔

و اذاراک الذین کفروا ان یتخذونک الا ھزواً اھذا الذی یذکر الھتکم و ھم بذکر الرحمٰن ھم کفرون (الانبیاء: ۳۶)

اور جب کافر تم کو دیکھتے ہیں تو تم سے استہزا کرتے ہیں۔ کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے حالانکہ وہ خود رحمٰن کے نام سے منکر ہیں۔

ذلک جزآؤھم جھنم بما کفروا واتخذ وا ایتی ورسلی ھزواً (الکھف: ۱۰۶)

یہ ان کی سزا ہے (یعنی) جہنم' اس لیے کہ انھوں نے کفر کیا

اور ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی۔

سخر یا استخر (مادہ س خ ر) ایک اور لفظ ہے جس کے معنی بالکل وہی ہیں جو استہزا کے ہیں اور قرآن کریم میں یہ لفظ عین ملتے جلتے سیاق میں استعمال ہوا ہے۔ جس طرح **استھزی** کے مفہوم کو تحلیل کر کے ایک ایسی عبارت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے جس میں ایک فعل اور ایک اسم ہو (یعنی **اتخذ ھزوا**) اسی طرح سخر یا استخر کو بھی **اتخذ** سخریا کی عبارت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے جس میں سخریا اسم ہے جو س خ ر کے مادے سے حاصل کیا گیا ہے۔ **استھزاء** اور سخر میں ترادف (ہم معنی) کا رشتہ مندرجہ ذیل آیات میں بہت واضح نظر آتا ہے۔

و لقد استھزی برسل من قبلک فحاق بالذین سخروامنھم ماکانوا بہ یستھزؤن (الانعام: ۱۰)

اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں۔ سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔

و لقد استھزی برسل من قبلک فحاق بالذین سخروا منھم ماکانوابہ یستھزؤن (الانبیاء: ۴۱)

اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ استہزا ہوتا رہا ہے تو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے ان کو اسی (عذاب) نے جس کی ہنسی اڑاتے تھے' آگھیرا۔

بل عجبت ویسخرون ○ واذا ذکروالا یذکرون ○ واذا راوا ایہ یستسخرون ○ وقالوا ان ھذا الا سحر مبین (الصفت: ۱۲۔ ۱۵)

ہاں تم تو تعجب کرتے ہو اور یہ تمسخر کرتے ہیں۔ اور جب ان کو نصیحت دی جاتی ہے تو نصیحت قبول نہیں کرتے۔ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ٹھٹھے کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

انه كان فريق من عبادى يقولون ربنا امنا فاغفرلنا وارحمنا وانت خيرا لرحمين ○ فاتخذ تموهم سخريًا حتٰى انسوكم ذكرى وكنتم منهمْ تضحكون
(المومنون: ۱۰۹۔ ۱۱۰)

میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے تو ہم کو بخش دے۔ اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ تو تم ان سے تمسخر کرتے رہے' یہاں تک کہ ان کے پیچھے میری یاد بھی بھول گئے اور تم (ہمیشہ) ان سے ہنسی کرتے رہتے تھے۔

(٦) غرور کا رویہ

یہ بات بہت بدیہی ہے اور کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ "غرور" اور "تمسخر" ایک دوسرے کے جڑواں ہیں۔ ہم گذشتہ فصل میں تمسخر کے رویے پر بحث کر چکے ہیں۔ تمسخر اس غرور محض کا مظاہرہ ہے جو ذہن میں جبلی طور پر موجود ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ قرآن کریم میں غرور کے معانی بہت وسیع ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ غرور یا سرکشی بالاخر کفر کی مختلف خصوصیات میں سے ایک ہے۔ تاہم قرآن کی نظر میں یہ عنصر خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ حتیٰ کہ اکثر اوقات اسے کافر کی سب سے امتیازی خصوصیت کے طور

پر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کا سرسری مطالعہ کرنے والے کو بھی یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت محمدؐ کفر کو صرف اسی ایک نقطہ نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ آپؐ کی نظر میں ایک شیخی خور سرکش شخص کا کردار منفی صفات کے میدان میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔

یاد رہے کہ اس ضمن میں مروہ (مروت) کی بدوی قدر' جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے' انسانی طاقت پر حد سے زیادہ اعتماد کی پیداوار ہے۔ جو شخص اس طاقت کے جبلی طور پر اپنے اندر پر موجود ہونے کا احساس رکھتا ہو فطری طور پر اس کے ہر رویے سے اس کا اظہار ہوگا اور اس کا ہر عمل غرور اور تکبر پر مبنی ہوگا۔ حتیٰ کہ بت پرستی کے دائرہ اختیار کو بھی جو زمانہ جاہلیت کا مسلمہ مذہب تھی محدود رکھا گیا تاکہ ایسے لوگوں کے فخر و غرور کو نقصان نہ پہنچے۔ اسلام کے نقطہ نظر سے' انسان کا ایسا رویہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کے خلاف انتہائی سرکشی اور طغیان کا اعلان تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں روز مرہ کے معاملات میں بھی اسلام حلم پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بار بار ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو اس غیر معقول غرور سے پھول کر زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں' انتہائی ناپسندیدہ آواز میں ڈکارتے ہیں اور اپنی اندھی تذلیل سے کمزوروں' اور غریبوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔

> ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحًا ان
> اللہ لایحب کل مختال فخور ○ واقصد فی مشیک
> واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت
> الحمیر (لقمان: ۱۸-۱۹)

> اور (ازراہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ
> کر نہ چلنا' کہ خدا کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں
> کرتا۔ اور اپنی چال میں اعتدال کیے رہنا اور (بولتے وقت)

آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں) کہ سب آوازوں سے بری آواز گدھوں کی ہے۔

مندرجہ ذیل آیت میں جہاں غرور اور شیخی خوری کے رویے کی مذمت کی گئی ہے وہاں بخل کو بھی برا کہا گیا ہے۔ الفاظ بعینہ وہی ہیں۔ مختال (مغرور' شیخی خور) اور فخور (متکبر)۔

لکیلا تاسواعلی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتکم واللّٰہ لایحب کل مختال فجور ○ الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل ومن یتول فان اللّٰہ ھو الغنی الحمید (الحدید: ۲۳-۲۴)

تاکہ جو (مطلب) تم سے فوت ہو گیا ہے اس کا غم نہ کھایا کرو اور جو تم کو اس نے دیا ہو اس پر اترایا نہ کرو۔ اور خدا کسی اترانے اور شیخی بگھارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں۔ اور جو شخص روگردانی کرے تو خدا بھی بے پروا (اور) سزاوار حمد (وثنا) ہے۔

یہ رویہ جو انسانوں کے ساتھ برتاؤ میں بھی اللہ کی ناراضی کا باعث بنتا ہے' اگر اللہ' اس کے رسولوں اور وحی کے بارے میں اپنایا جائے تو انتہائی گھناؤنا جرم بن جاتا ہے۔ ذیل میں ہم چند آیات کا ذکر کرتے ہیں۔ جن میں اللہ کی آیات کے خلاف کفار کے رد عمل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

انہ فکر و قدر ○ فقتل کیف قدر ○ ثم قتل کیف قدر ○ ثم نظر ○ ثم عبس و بسر ○ ثم ادبر واستکبر ○ فقال ان ھذا الا سحر یؤثر ○ ان ھذا الا

قول البشر (المدثر: ۱۸۔ ۲۵)

اس نے فکر کیا اور تجویز کی۔ یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی۔ پھر یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی۔ پھر تامل کیا۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا۔ پھر پشت پھیر کر چلا اور (قبول حق سے) غرور کیا۔ پھر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا آیا ہے۔ (پھر بولا) یہ (خدا کا کلام نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے۔

قرآن کریم میں غرور کی اس قسم کے لیے سب سے زیادہ استکبر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مادہ ک ب ر ہے جس کے بنیادی معنی "بڑا پن" کے ہیں۔ استکبر کے لفظی معنی ہیں۔ "غرور کی بنا پر بھول جانا' بڑا بننا۔"

انهم كانوا اذا قيل لهم لا اله الا الله يستكبرون ○ و يقولون ائنا لتاركوا الهتنا لشاعر مجنون (الصفت: ۳۵۔۳۶)

وہ ایسے لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔

ثم ارسلنا موسٰى واخاه هرون باٰيتنا وسلطن مبين ○
الى فرعون و ملائه فاستكبروا و كانوا قومًا عالين ○
فقالوا انؤمن لبشرين مثلنا و قومهما لنا عبدون ○
فكذبوهما فكانوا من المهلكين (المومنون: ۴۵۔ ۴۷)

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور دلیل ظاہر دے کر بھیجا۔ (یعنی) فرعون اور اس کی جماعت کی طرف، تو انھوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے، کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، اور ان کی قوم کے لوگ ہمارے خدمت گار ہیں۔ تو ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی سو (آخر) ہلاک کر دیے گئے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ قرآنی آیات میں دو الفاظ استکبر اور عالی استعمال ہوئے ہیں جو اسی ایک حالت کے دو مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں۔ پہلا لفظ فعل ہے جو غرور اور تکبر کی ایسی حالت کو بیان کرتا ہے، جس کا اظہار کسی فوری لیکن عارضی حرکت سے ہوتا ہے۔ جیسے نفرت اور غصے کے شدید جذبات کا دفعتہ " بھڑک اٹھنا۔ دوسری اصطلاح اسم صفت ہے، جو غرور کی ایسی جبلی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے جو ایک کافر کے ذہن کی تہ میں ہمیشہ موجود رہتی ہے اور ذرا سے اشتعال پر کسی بھی وقت پھوٹ پڑتی ہے۔ اگلی آیت سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے۔

اذقال ربک للملئکته انی خالق بشراً من طین ○ فاذاسویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له سجدین ○ فسجد الملئکته کلهم اجمعون ○ الاا ابلیس استکبر وکان من الکفرین ○ قال یا بلیس مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من الالین ○ قال اناخیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین ○ قال فاخرج منها فانک رجیم (ص: ۷۱-۷۷)

جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں' جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر شیطان اکڑ بیٹھا اور کافروں میں ہو گیا۔ (خدا نے) فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا۔ کیا تو غرور میں آگیا یا اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ (کہ) تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔ فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے۔

ولقد نجینا بنی اسرائیل من العذاب المهین ○ من فرعون انه كان عاليًا من المسرفين (الدخان: ۳۰۔ ۳۱)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی۔ (یعنی) فرعون سے۔ بے شک وہ سرکش (اور) حد سے نکلا ہوا تھا۔

بعض آیات میں لفظ عالی کا مصدر علو بعینہ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

فلما جاء تهم ایتنا مبصرة قالوا هذا سحر مبین ○ وجحدوا بهاوا استيقنتها انفسهم ظلمًا و علوًا فانظر كيف كان عاقبته المفسدين (النمل: ۱۳۔ ۱۴)

جب ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں پہنچیں' کہنے لگے یہ صریح جادو ہے۔ اور بے انصافی اور غرور سے ان سے انکار

کیا حالاں کہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔ سو دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

تلک الدرا الاخرۃ نجعلھا للذین لایریدون علواً فی الارض ولا فسادا والعاقبتہ للمتقین (القصص: ۸۳)

وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے (تیار) کر رکھا ہے' جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے۔ اور انجام (نیک) تو پرہیز گاروں ہی کا ہے۔

اسی سلسلے کا ایک اور لفظ تکبر ہے جو ک ب ر مادے کا ہی ایک صیغہ ہے۔ یہ لفظ بھی اسی قسم کے سیاق میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اس لفظ خصوصا" اس کے اسم فاعل "متکبر" کے استعمال کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ "تکبر" "استکبر" اور "عالی" کے درمیان کا درجہ ہے' جو موخر الذکر کی جانب جھکاؤ رکھتا ہے۔ بالفاظ دیگر متکبر کا لفظ ایسے غرور کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کافر کی مستقل صفت ہے' وقتی جذبہ و جوش کا اظہار نہیں۔ بیضاوی نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے متکبر کے لفظ کی تشریح کے لیے "اعلاء" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (۵)

سا صرف عن ایتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق و ان یروا کل ایتہ لا یو منوابھا و ان یروا سبیل الرشد لایتخذوہ سبیلًا و ان یروا سبیل الغی یتخذ وہ سبیلًا ذلک بانھم کذبوا بایتنا وکانوا عنھا غفلین (الاعراف:۱۴۶)

جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔ اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں۔ اور اگر راستی کا راستہ دیکھیں تو

اسے (اپنا) رستہ نہ بنائیں۔ اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو
اسے (اپنا) رستہ بنالیں۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے ہماری
آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے۔

اگلی آیت خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ ان بنیادی معنویاتی رشتوں پر روشنی ڈالتی ہے جن کے ذریعے شرک' کفر اور تکبر کے الفاظ ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

اذا لا غلل فی اعنا قهم و السلسل یسحبون ○ فی الحمیم ثم فی النار یسجرون ○ ثم قیل لهم این ماکنتم تشرکون ○ من دون اللّٰه قالوا ضلوا عنابل لم نکن ندعوا من قبل شیئاً کذلک یضل اللّٰه الکفرین ○ ذلکم بما کنتم تفرحون فی الارض یغیر الحق و بما کنتم تمر حون ○ ادخلوا ابواب جهنم خلدین فیها فبئس مثنوی المتکبرین (المومن:۷۱-۷۶)

جب کہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی (اور) گھسیٹے جائیں گے۔ (یعنی) کھولتے ہوئے پانی میں۔ پھر آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم (خدا کے) شریک بناتے تھے (یعنی غیر خدا) کہیں گے وہ تو ہم سے جاتے رہے بلکہ ہم تو پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہیں تھے۔ اسی طرح خدا کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔ یہ اس کا بدلا ہے کہ تم زمین میں حق کے بغیر (یعنی اس کے خلاف) خوش ہوا کرتے تھے اور اس کی (سزا ہے) کہ تم اترایا کرتے تھے۔ (اب) جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ' ہمیشہ اسی میں رہو گے۔ متکبروں کا کیا برا

ٹھکانا ہے۔

مندرجہ ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ افترا (الکذب) اور "تکبر" کے رویے کے درمیان معنوی مشابہت کا رابطہ موجود ہے' بلکہ اس سیاق میں افترا اور تکبر ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔ اس آیت سے ایک اور اہم بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ تقویٰ یعنی "خشیت الٰہی" ان دونوں الفاظ کا متضاد ہے۔

و یوم القیمته تری الذین کذبوا علی اللّٰہ وجوھھم مسودة الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین ○ و ینجی اللّٰہ الذین اتقوا بمفازتھم لایمسھم السوء ولاھم یحزنون (الزمر: ٦٠۔ ٦١)

اور جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے۔ کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے۔ اور جو لوگ (شرک و کفر سے) بچتے تھے' اللہ ان کو کامیابی کے ساتھ جہنم سے نجات دے گا' نہ ان کو تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

علم معنویات کی اصطلاح میں "کبر" جس کا معنویاتی مادہ ک ب ر ہے ایک ایسی تحلیلی عبارت ہے جو مذکورہ بالا نتائج کو غیر زمانی مفہوم میں اد کرتی ہے۔ مندرجہ ذیل آیت اس تحلیلی عبارت کی مثال ہے جس میں اللہ کے بارے میں جھگڑے (جدل) کو جس کا اوپر ذکر ہو چکا' "دل کے تکبر" کی ترکیب کے ذریعے بیان کیا گیا۔

ان الذین یجادلون فی ایت اللّٰہ بغیر سلطن اتھم ان فی صدورھم الا کبرما ھم ببالغیه فاستعذ باللّٰہ انه

هوالسمیع البصیر (المومن:۵٦)
جو لوگ بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں' ان کے دلوں میں اور کچھ نہیں (ارادہ) عظمت ہے اور وہ اس کو پہنچنے والے نہیں' سو خدا کی پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

الذین یجادلون فی ایت اللّٰہ بغیر سلطن اتھم کبر مقتًا عند اللّٰہ و عند الذین امنوا کذلک یطبع اللّٰہ علی کل قلب متکبر جبار (المومن:۳۵)
جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔ خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے۔ اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

خلاصہ بحث

اب ہم خلاصہ بحث کے طور پر غرور و تکبر کے بنیادی خواص کو چند عنوانوں کے تحت بیان کرتے ہیں۔

(ا) استکبار ——— ایمان

استکبر یا تکبر غرور سے پھول جانا۔ آمن۔ یعنی مان لینا کے برعکس فعل ہے۔ درج ذیل آیات میں غرور و تکبر کا ذکر ایمان کی ضد کے طور پر ہوا ہے۔

وقال موسٰی انی عذت بربی و ربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب (المومن:۲۷)

موسیٰ نے کہا کہ میں ہر متکبر سے جو حساب کے دن (یعنی قیامت) پر ایمان نہیں لاتا' اپنے اور تمھارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں۔

فاما الذین امنوا و عملوا الصلحت فیوفیهم اجورهم و یزید هم من فضله و اما الذین استنکفوا و استکبروا فیعذ بهم عذابًا الیمًا ولا یجدون لهم من دون اللّٰه ولیًا و لا نصیرًا (النساء: ۱۷۳)

تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے' وہ ان کو ان کا پورا بدلا دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عنایت کرے گا۔ اور جنھوں نے (بندہ ہونے سے) عار و انکار اور تکبر کیا ان کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا۔ اور یہ لوگ خدا کے سوا اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔

اس آیت میں غرور کے رویے (استکبر' استنکف) کو ایمان اور اس سے ظاہر ہونے والے نیک اعمال کا متضاد قرار دیا گیا ہے۔ ایمان اور نیک اعمال کے درمیان باہمی رشتے پر ہم آیندہ بات کریں گے۔

وقالوا مهما تاتنا به من ایته لتسحرنا بها فما نحن لک بمومنین ○ فارسلنا علیهم الطوفان والجراد و القمل والضفادع والدم ایت مفصلت فاستکبروا و کانوا قومًا مجرمین (الاعراف: ۱۳۲۔ ۱۳۳)

اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لاؤ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو۔ مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور

مینڈک اور خون کتنی کھلی نشانیاں بھیجیں۔ مگر وہ تکبر ہی
کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار۔

یاد رہے کہ تکبر کے رویے کو "مجرم" (گناہ گار) کی صفت سے بیان کیا گیا ہے۔ جرم کے لفظ پر بحث آئندہ آئے گی۔

قال رب انی دعوت قومی لیلًا و نهاراً ○ فلم یزدهم
دعاءی الا فراراً ○ و انی کلما دعوتهم لتغفرلهم جعلوا
اصا بعهم فی اذانهم و استغشواثیا بهم و اصروا
واستکبروا استکباراً (نوح: ۵۔ ۷)

جب لوگوں نے نہ مانا تو (نوحؑ نے) خدا سے عرض کی کہ
پروردگار میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا۔ لیکن میرے
بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے۔ جب جب میں
نے ان کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) تو ان کو معاف فرمائے تو
انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے
اوڑھ لیے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔

(۲) عدم استکبار = ایمان

دوسری صورت چونکہ پہلی صورت کے عین برعکس ہے اس لیے مزید وضاحت ضروری تو نہیں تھی، تاہم چونکہ قرآن کریم میں ایمان کے رویے کا جائزہ اکثر اس کے منفی پہلو کے حوالے سے لیا گیا ہے، اس لیے دوسری صورت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اور اسی بنا پر الگ سے بحث کی متقاضی ہے۔

ان الذین عند ربک لایستکبرون عن عبادته و
یسبحونه وله یسجدون (الاعراف: ۲۰۶)

جو لوگ تمھارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت

سے گردن کشی نہیں کرتے اور اس کی پاک ذات کو یاد کرتے اور اس کے آگے سجدے کرتے رہتے ہیں۔

ولہ من فی السمٰوت و الارض و من عندہ لایستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون (الانبیاء: ۱۹)

اور جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں سب اسی کے (مملوک اور اسی کا مال ہیں) اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ کنیاتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں۔

اولم یروا الٰی ماخلق اللّٰہ من شی ء یتفیؤا ظلٰلہ عن الیمین والشمائل سجدا للّٰہ وھم داخرون ○ وللّٰہ یسجد ما فی السمٰوت و ما فی الارض من دابتہ والملائکتہ و ھم لایستکبرون ○ یخافون ربھم من فوقھم و یفعلون مایؤ مرون (النحل: ۴۸۔ ۵۰)

کیا ان لوگوں نے خدا کی مخلوقات میں سے ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں سے (بائیں کو) اور بائیں سے (دائیں کو) لوٹتے رہتے ہیں (یعنی) خدا کے آگے عاجز ہو کر سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔ اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی' اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔ اور اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

انما یومن بایتنا الذین اذا ذکروابها خروا سجدا و سجوا
بحمد ربهم و هم لا یستکبرون ○ تتجافی جنوبهم
عن المضاجع یدعون ربهم خوفا و طمعًا و مما
رزقنهم ینفقون (السجدہ: ۱۵۔ ۱۶)

ہماری آیتوں پر تو وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جو ان کو ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور غرور نہیں کرتے۔ ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں۔ (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مندرجہ ذیل آیت میں عیسائیوں‘ پادریوں اور راہبوں کی خاص طور پر یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ متکبر نہیں ہیں۔ اس کے برعکس یہودیوں اور بت پرستوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ”وہ مومنوں کی مخالفت میں بہت شدید ہیں“ (اس آیت سے حضرت محمدؐ کی زندگی کے ایک دور میں عیسائیوں کے بارے میں آپ کے رویے کا اندازہ ہوتا ہے۔ اہل کتاب کے بارے میں آپ کے نظریے کی ایک مخصوص ارتقائی تاریخ ہے جس کی تفصیلات ہمارے موجودہ موضوع سے خارج ہیں۔) قرآن کریم نے امت مسلمہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی **لایستکبرون**(وہ تکبر نہیں کرتے) کی صفت استعمال کی ہے۔ مندرجہ ذیل آیت اس کی مثال ہے:

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیهود و الذین
اشرکوا ولتجدن اقربهم مودۃ للذین امنوا الذین قالوا انا
نصری ذلک بان منهم قسیسین و رهبانًا وانهم
لایستکبرون (المائدہ: ۸۲)

(اے پیغمبرؐ!) تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔ اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی، اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

(۳) استکبر = کفر

استکبار اور کفر کی باہم مساوات ایسی حقیقت ہے جو وضاحت کی محتاج نہیں، لہٰذا ہم اس ضمن میں صرف دو آیات کا حوالہ دیں گے جو ان دونوں اصطلاحوں کے مابین معنویاتی رشتے کی بہترین مثال پیش کرتی ہیں۔

قال الملا الذین استکبروامن قومه للذین استضعفوا لمن امن منهم اتعلمون ان صلحًا مرسل من ربه قالوا انا بماارسل به مومنون ۞ قال الذین استکبروا انا بالذی امنتم به کفرون ۞ فعقروا الناقته و عتوا عن امرربهم وقالوا یصلح ائتنا بما تعدنا ان کنت من المرسلین (الاعراف: ۷۵۔ ۷۷)

تو ان کی قوم میں سردار لوگ جو غرور رکھتے تھے غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہنے لگے، بھلا تم یقین کرتے ہو کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں جو چیز وہ دے کر بھیجے گئے ہیں ہم اس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں۔ تو (سرداران) مغرور کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کو نہیں مانتے۔ آخر انھوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور

اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ
صالح! جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم (خدا کے)
پیغمبر ہو تو اسے ہم پر لے آؤ۔

اوتقول حین تری العذاب لوان لی کرۃ فاکون من
المحسنین (الزمر:۵۸)
یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ
دنیا میں جانا ہو تو میں نیکو کاروں میں ہو جاؤں۔

"کفر" اور "تکبر" کے درمیان قریبی تعلق واضح کرنے کے علاوہ آخری آیت اس مجموعے میں ایک اور عنصر کو متعارف کرا رہی ہے یعنی تکذیب (اللہ کی آیات کو جھٹلانا) جس کا ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں۔

(۴) استکبر = تکذیب

گذشتہ صفحات میں ہم نے بار بار جس بات پر زور دیا ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ قرآن کریم کی نظر میں کافر کے جبلی رویے کی سب سے خاص بات اس کا غرور اور تکبر ہے جو تکذیب کے عمل سے مماثل بلکہ اس کی بنیاد ہے اور جو کفر کا بہت واضح مظاہرہ ہے۔ مندرجہ ذیل دو آیتوں سے اس معنویاتی ربط پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

والذین کذبوا بایتنا و استکبروا عنھا اولئک اصحب
النار ھم فیھا خلدون (الاعراف:۳۶)
اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی
وہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔

ان الذین کذبوا بایتنا و استکبروا عنھا لاتفتح لھم

ابواب السماء ولا يد خلون الجنته حتی یلج الجمل
فی سم الخیاط وکذلک نجزی المجرمین (الاعراف:
۴۰)

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے۔ اور گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

ولقد آتینا موسی الکتب وقفینا من بعدہ بالرسل و
آتینا عیسی ابن ریم البینت وایدنہ بروح القدس
افکلما جاءکم رسول بما لاتھوی انفسکم استکبرتم
ففریقاً کذبتم و فریقاً تقتلون (البقرہ: ۸۷)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبرئیل) سے ان کو مدد دی۔ تو جب کوئی پیغمبر تمھارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمھارا جی نہیں چاہتا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ (انبیا) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

اس فصل کے آخر میں ہم چند مزید متعلقہ اصطلاحات کا اختصار سے ذکر کریں گے۔ ظاہر بات ہے کہ مندرجہ بالا بحث میں بے دین قسم کے غرور کے لیے صرف استکبر کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ ہم نے اس ضمن میں لفظ عالی کا ذکر بھی کیا ہے جو صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ قدیم عربی میں بہت سے اور

بھی لفظ ہیں جو استکبر یا تکبر کے تقریباً ہم معنی ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر قرآن کریم میں خاصی کثرت سے ہوا ہے' اور ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص معانی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسانی غرور کے رویے کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔

(الف) بغی

اس بات کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کہ اگر انسان کا علم اپنے ہی مزعومہ مفروضات پر مبنی ہو تو وہ اسے سماجی زندگی میں مقررہ حدود سے بغاوت کے لیے اکساتا ہے۔ بغی کے فعل کے بنیادی معنی ہیں "خود پسندی" کی زیادتی کی وجہ سے دوسروں کے خلاف غیر قانونی اور بے انصافی پر مبنی قدم اٹھانا۔" ' "کھلم کھلا غلط کام کرنا۔" اولین مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کے شدائد اور مظالم کا ذکر کرتے ہوئے ابن اسحاق نے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> فلما عتت قریش علی اللہ عزوجل' وردوا علیہ ما ارادھم بہ من الکرامہ' و کذبوا نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم' و عذبواو نفوا من عبدہ ووحدہ وصدق نبیہ واعتصم بدینہ' اذن اللہ عزوجل لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القتال و الانتصار ممن ظلمھم و بغی علیھم۔ (۷)
>
> قریش نے اللہ کے خلاف سرکشی کی۔ اس کے فضل کا انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشے' وہ ان لوگوں کو اذیتیں دیتے جو توحید کا اعلان کر کے اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے رسول پر ایمان لاتے اور اپنے

دین پر قائم رہتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو لڑائی کی
اجازت دے دی کہ ان لوگوں کی مدد کریں جن پر ظلم کیے
گئے اور سرکشی کی گئی۔

اس لفظ کے قرآن کریم میں استعمال کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ولوبسط اللّٰہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل
بقدر مایشاء انہ بعبادہ خبیر بصیر (الشوریٰ:۲۷)

اور اگر خدا اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی دیتا ہے تو
زمین میں فساد کرنے لگتے ہیں، لیکن وہ جو چیز چاہتا ہے
اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے
بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے۔

بیضاوی کے الفاظ میں "وہ سرکشی کریں گے" کا مطلب ہے وہ خود پسندی (بطر) کی بنا پر تکبر اور فساد کریں گے۔ (۸) ہم بطر کی تشریح تھوڑی دیر میں کریں گے۔ ابھی یہ کہنا مقصود ہے کہ بیضاوی جیسی اہم تفسیر میں بغی کے لفظ کی تشریح تکبر کے لفظ سے کی گئی ہے۔ مزید یہ کہ اس میں انتہا پسندانہ خود اعتمادی کی وجہ سے فساد کا ارتکاب بھی شامل ہے۔ اس تفسیر کی تائید مندرجہ ذیل آیت میں بہت صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

ان قارون کان من قوم موسیٰ فبغی علیھم واتینہ من
الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء ا بالعصبتہ اولی القوۃ اذقال
لہ قومہ لاتفرح ان اللّٰہ لایحب الفرحین ○ وابتغ
فیما اتک اللّٰہ الدرا الاخرۃ و لاتنس نصیبک من
الدنیا و احسن کما احسن اللّٰہ الیک ولا تبغ الفساد
فی الارض ان اللّٰہ لایحب المفسدین ○ قال انما اوتیتہ
علی علم عندی اولم یعلم ان اللّٰہ قد اھلک من قبلہ من

القرون من هواشد منه قوة واكثر جمعًا ولايسئل عن ذنوبهم المجرمون (القصص:٧٦۔٧٨)

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا' اور ان پر تعدی کرتا تھا۔ اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں۔ جب اس سے اس کی قوم نے کہا کہ اترائے مت کہ خدا اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو (مال) تم کو خدا نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجیے۔ اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلایے۔ اور جیسی خدا نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو۔ اور ملک میں طالب فساد نہ ہو۔ کیونکہ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ بولا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور سے) ملا ہے۔ کیا اس کو معلوم نہیں کہ خدا نے اس سے پہلے بہت سی امتیں جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں ہلاک کر ڈالی ہیں۔ اور گنہگاروں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔

یہاں لفظ بغی کو گویا سیاقی تفسیر دی گئی ہے۔ اول تو اس آیت میں "بغی" کو ایک اور فعل "فرح" کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ لا تفرح۔ ناز نہ کر) یعنی کسی بات پر خوشی سے پھولے نہ سمانا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بغی کا لفظ یہاں خاص طور پر اس بات کو بیان کرتا ہے کہ قارون کو اپنی دولت پر حد سے زیادہ ناز تھا' وہ اپنی دنیاوی قوت کے نشے میں چور تھا۔ بغی کی اندرونی کیفیت کا اظہار جس رویے اور عمل سے ہوتا ہے اس کے لیے لفظ "فساد" استعمال کیا گیا۔ فساد کے معنی کی مزید وضاحت اس سباق سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ فساد

کے مقابلے میں احسان (نیکی کرنا) کا ذکر ہے جس کا مطلب ہے رحم دلی اور بھلائی کے جذبے کے ساتھ کام کرنا۔ مندرجہ ذیل آیت میں بغی (اسم فعل) کا لفظ حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے خلاف فرعون کے رویے کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتبعهم فرعون و جنوده بغیًا و عدوًا حتّٰی اذآ ادرکه الغرق قال امنت انه لا اله الا الذی امنت به بنوا اسرائیل وانا من المسلمین ○ آلئٰن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین (یونس: ۹۰-۹۱)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور تعدی سے ان کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ جب اس کو غرق (کے عذاب) نے آپکڑا تو کہنے لگا میں ایمان لایا کہ جس (خدا) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرماں برداروں میں ہوں۔ (جواب ملا کہ) اب (ایمان لاتا ہے) حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا' اور مفسد بنا رہا۔

اس آیت میں "عدو" کے لفظ کے جو بغی کے ساتھ مل کر آیا ہے (اس کی ایک اور مثال قرآن کریم کی آیت ۶:۱۴۶) میں بھی ہے' معنی ہیں "اپنی حد سے بڑھ جانا" اور پھر غلط کام کرنا۔ دیکھیے اس سیاق میں پھر فساد کے عنصر کا ذکر ہے۔ عصیت (تم نے نافرمانی کی ہے) کی عبارت بغی کے ایک اور مفہوم کو ظاہر کرتی ہے۔ مندرجہ ذیل آیت میں تشدد اور فساد کے عناصر کی بہتر وضاحت ملتی ہے۔

ولمن انتصر بعد ظلمه فاولٰئک ما علیهم من سبیل ○

انما السبيل علی الذین یظلمون الناس و یبغون فی
الارض بغیر الحق اولئک لهم عذاب الیم (الشوریٰ:
۴۱۔ ۴۲)

اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو تکلیف دینے والا عذاب ہو گا۔

(ب) بطر

ہم نے گزشتہ سطور میں تفسیر بیضاوی کے ایک اقتباس کے ضمن میں اس لفظ کا ذکر کیا تھا۔ بطور فعل اس کے معنی ہیں' حد سے زیادہ ناز کرنا۔ (مثلاً اپنی دولت پر)۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان اپنی دولت وغیرہ پر جب حد سے زیادہ خوش ہوتا ہے تو شیخی خوری اور تکبر پر اتر آتا ہے۔ قرآن کریم سے اس لفظ کے معنویاتی ڈھانچے کے بارے میں زیادہ معلومات تو نہیں ملتیں تاہم مندرجہ ذیل آیت سے اس کے ایک بہت ہی اہم معنویاتی پہلو کی وضاحت ضرور ہوتی ہے۔

وکم اهلکنا من قریته بطرت معیشتها فتلک
مسکنهم لم تسکن من بعد هم الا قلیلًا وکنا نحن
الوارثین (القصص:۵۸)

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی (فراخی) معیشت میں اترا رہے تھے۔ سو یہ ان کے مکانات ہیں جو ان کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم۔ اور ان کے پیچھے ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔

اس آیت کو ذیل میں "عتی" کی بحث میں دی گئی دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو بطر کے معانی پر زیادہ مفید روشنی پڑتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ عبارت "ہم نے کتنے شہر اس لیے تباہ کر دیے کہ....." کفار کے افسوس ناک انجام کو بیان کرنے کے لیے قرآن کریم میں بار بار استعمال ہوئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بطر کا تعلق کفر کی دنیا سے ہی ہے۔

(ج) عتی

"عتی" "استکبر" کا مترادف ہے اور اس کا قریب قریب مفہوم ہے "حد سے بڑھا ہوا" "غرور" ، "تکبر سے پیش آنا" ، جب یہ حرف عن کے ساتھ استعمال ہو تو اعراض کا مفہوم پیدا ہوتا ہے یعنی "کسی حکم کی تعمیل سے نفرت کے ساتھ منہ موڑنا" ، "کسی حکم کے خلاف بغاوت کرنا۔" اس لفظ کے استعمال کی متعدد مثالوں کے جائزے کی بنیاد پر ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ لفظ عتی قول یا عمل کے ذریعے غرور اور تکبر کے ٹھوس اور خارجی اظہار کے لیے بولا جاتا ہے جب کہ استکبر غرور کی اندرونی حالت کے بیان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں سے پہلی اس تعبیر کی تائید کرتی ہے۔

> وقال الذین لایرجون لقاء نالولا انزل علینا الملئکته اونری ربنا لقد استکبروا فی انفسهم و عتو عتواً کبیراً
> **(الفرقان: ۲۱)**
>
> اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے۔ کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم اپنی آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔ یہ اپنے خیال میں بڑائی رکھتے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔

وکاین من قریته عتت عن امر ربها ورسله فحا سبنها
حسابًا شدیداً وعذبنها عذابًا نکراً (الطلاق:۸)

اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام کی سرکشی کی تو ہم نے ان کو سخت حساب میں پکڑ لیا اور ان پر (ایسا) عذاب نازل کیا جو نہ دیکھا تھا نہ سنا۔

فلما عتوا عن ما نهوا عنه قلنا لهم کونوا قردة خاسئین
(الاعراف:١٦٦)

غرض جن اعمال (بد) سے ان کو منع کیا گیا تھا جب وہ ان (پر اصرار اور ہمارے حکم) سے گردن کشی کرنے لگے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ۔

(د) طغیٰ

طغیٰ بھی استکبر کا مترادف لفظ ہے اور قرآنی الفاظ میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے ابتدائی معنی کے حوالے سے دریا یا سمندر کے پانی کی ایسی تصویر ذہن میں آتی ہے جو اوپر اٹھتے ہوئے اپنی حدوں کو پھلانگ کر کناروں سے باہر نکل آتا ہے۔ چنانچہ یہ تصویر بے ادبی' اور باغیانہ غرور کے رویے کا استعارہ بن گئی۔ بقول منٹگمری واٹ' طغیٰ کے معنی ہیں' "کسی قسم کی رکاوٹوں' خصوصا" اخلاقی اور مذہبی اعتبارات کا خیال کیے بغیر آگے بڑھتے چلے جانا' یعنی ایسا شخص جسے کوئی بات روک نہ سکے اور جسے اپنی طاقت پر بے حد بھروسہ ہو۔" قرآن کریم کے خصوصی سیاق میں اس کا مطلب ہے' مخلوق ہونے کے

احساس کی غیر موجودگی...... اور اس کے ساتھ ساتھ خالق کا انکار یا بے اعتنائی (۸)......

عرب ماہر لسانیات بیضاوی آیت نمبر (المومنون: ۷۷) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "طغیان (طغی کا حاصل مصدر) کے معنی ہیں، کفر میں حد سے بڑھنا، انسان کا غرور سے پھول کر حقیقت کے قبول سے انکار کر دینا، اور نبیوں اور مومنین کی کھلم کھلا مخالفت کرنا۔" (۹) طغیان ——— کفر دونوں الفاظ اکثر مرکب کے طور پر استعمال ہوئے ہیں جن سے ان کے ہم معنی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

> و لیزیدن کثیراً منهم ما انزل الیک من ربک طغیاناً و کفراً فلاتاس علی القوم الکفرین (المائدہ: ٦٨)
>
> اور یہ (قرآن) جو تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے، ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفراور بڑھے گا۔ تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔
>
> اس سے پہلے فرمایا:
>
> ولیز بدن کثیرا منهم ماانزل الیک من ربک طغیانا و کفرا (المائدہ: ٦٤)
>
> اور جو کچھ آپؐ کے پاس آپؐ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے، وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرنے کا باعث بنتا ہے۔
>
> واما الغلم فکان ابواہ مومنین فخشینا ان یرھقهما طغیاناً و کفراً (الکھف: ۸۰)
>
> اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے، ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر جو بدکردار ہوتا کہیں) ان کو

سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔

طغیان ——— تکذیب

بعض آیات میں طغیان کو تکذیب کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ دیکھیے مندرجہ ذیل آیت میں یہ لفظ ایک مختلف صیغے کے ساتھ (طغوا) آیا ہے۔ معانی وہی ہیں....

> کذبت ثمود بطغوھا۔ اذانبعث اشقھا (الشمس: ۱۱۔ ۱۲)
> قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (حضرت صالحؑ) کی تکذیب کی، جب کہ ان میں سے جو سب سے بد بخت تھا، وہ (اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے) اٹھ کھڑا ہوا۔

طغیان ——— نفاق

نفاق کے بارے میں تفصیل کسی اور جگہ بیان ہو چکی ہے۔ یہاں مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ نفاق ایسے لوگوں کا رویہ ہے جو مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں "ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔" لیکن جب وہ "اپنے شیاطین کے ساتھ تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم بے وقوفوں کی طرح کیسے ایمان لاسکتے ہیں۔ ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے۔" قرآن کریم نے بدنیت قسم کے رویے کو طغیان کے لفظ سے بہت صحیح طریقے سے بیان کیا ہے۔

> اللہ یستھزی بھم ویمد ھم فی طغیا نھم یعمھون (البقرہ: ۱۵)
> ان (منافقوں) سے خدا ہنسی کرتا ہے اور انھیں مہلت دیے جاتا ہے کہ شرارت و سرکشی میں پڑے بھک رہے ہیں۔

یاد رہے کہ قرآن کریم میں عمہ (اندھوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارنا)

اور طغیان اکثر اکٹھے آئے ہیں اور دونوں کا مرکب قرآن کریم میں بہت زیادہ استعمال ہونے والی ترکیب ہے۔ اس کا مکمل مطلب ہے "طغیان (سرکشی) میں اندھوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارنا۔" یہ مفہوم اس وقت اور زیادہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے جب اس کے ذریعے ان لوگوں کا حال بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جو اپنی دنیوی زندگی سے بہت خوش ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔

طغیان = دنیوی زندگی سے محبت

ان الذین لا یرجون لقاء نا ورضوا بالحیوۃ الدنیا و اطمانوا بھا و الذین ھم عن ایتنا غفلون ○ اولئک ماوھم النار بما کانوا یکسبون ○ ان الذین امنوا و عملوا الصلحت یھدیھم ربھم بایما نھم تجری من تحتھم الانھر فی جنت النعیم ○ دعوھم فیھا سبحنک اللھم و تحیتھم فیھا سلم واخردعوھم ان الحمد للہ رب العلمین ○ ولو یعجل اللہ للناس الشر استعجالھم بالخیر لقضی الیھم اجلھم فنذر الذین لایرجون لقاءنا فی طغیانھم یعمھون (یونس: ۷-۱۱)

جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں، ان کا ٹھکانا ان (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں دوزخ ہے (اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان کو پروردگار ان کے ایمان کی وجہ سے (ایسے محلوں کی) راہ دکھائے گا (کہ) ان کے نیچے نعمت کے

باغوں میں نہریں بہ رہی ہوں گی۔ (جب وہ) ان میں (ان کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو بے ساختہ) کہیں گے سبحان اللہ۔ اور آپس میں ان کی دعا سلام علیکم ہوگی اور ان کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ خدائے رب العالمین کی حمد (اور اس کا شکر) ہے۔ اور اگر خدا لوگوں کی برائی میں جلدی کرتا جس طرح وہ طلب خیر میں جلدی کرتے ہیں، تو ان کی (عمر کی) میعاد پوری ہو چکی ہوتی۔ سو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں انھیں ہم چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں۔

مندرجہ ذیل آیت میں "جس نے سرکشی کی (طغی) اور موجودہ زندگی کی عیاشیوں میں پڑا رہا۔" کی عبارت مندرجہ ذیل عبارت کے بالکل برعکس ہے۔ "جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اپنے نفس کو دنیوی خواہشات سے روک کر رکھتا ہے۔"

فاما من طغی ○ واثر الحیوۃ الدنیا ○ فان الجحیم ھی الماوی ○ واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی ○ فان الجنتہ ھی الماوٰی (النازعات: ۳۷-۴۱)

تو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا، اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔

طغیان ——— تقویٰ

مندرجہ بالا آیت میں ضمنی طور پر اس بات کا اشارہ ہے کہ "خوف"

طغیان کی ضد ہے۔ دراصل آیت میں مذکور لفظ خاف کا لفظی مطلب ہے ڈرنا لیکن قرآن کریم میں یہ اکثر تقویٰ کے معنوں میں آتا ہے۔ (بلکہ زیادہ صحیح یوں ہے کہ اسی مادے کا اس سے مماثل فعل "اتقا" استعمال ہوا ہے)۔ اتقا کا لفظ بعض اوقات آیت کے متن میں اس طریقے سے آتا ہے کہ وہ باقاعدہ طغی کا متضاد بنتا ہے۔ ذیل کی آیت اس کی ایک مثال ہے۔

هذا ذكر وان للمتقين لحسن ماب ○ جنت عدن مفتحته لهم الابواب (ص: ۴۹۔ ۵۰)

یہ نصیحت ہے اور پرہیزگاروں کے لیے تو عمدہ مقام ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔

هذا وان للطغين لشرماب ○ جهنم يصلونها فبئس المهاد (ص: ۵۵۔ ۵۶)

یہ (نعمتیں تو فرمانبرداروں کے لیے ہیں) اور سرکشوں کے لیے برا ٹھکانا ہے۔ (یعنی) دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بری آرام گاہ ہے۔

خوف خدا کے معنوں کے لیے قرآن کریم میں ایک اور فعل "خشی" بھی کثرت سے آیا ہے۔ یہ بھی طغی کے متضاد ہے۔ مندرجہ ذیل آیت اس کی ایک مثال ہے جہاں یہ تضاد ذرا سرسری انداز سے ذکر ہے۔

هل اتک حديث موسٰى ○ اذ ناداه ربه بالواد المقدس طوى ○ اذهب الٰى فرعون انه طغى ○ فقل هل لک الى ان تزكى ○ واهديک الٰى ربک فتخشٰى (النازعات: ۱۵۔ ۱۹)

بھلا تم کو موسیٰ کی حکایت پہنچی ہے۔ جب ان کے پروردگار
نے ان کو پاک میدان (یعنی) طویٰ میں پکارا۔ (اور حکم دیا)
کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو رہا ہے۔ اور (اس
سے) کہو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے؟ اور میں تجھے
تیرے پروردگار کا رستہ بتاؤں تاکہ تجھ کو خوف (پیدا) ہو۔

(ہ) استغنی

استغنی کے معنی طغی کے بہت قریب ہیں۔ یہ لفظ بھی انسان کے خود پر اعتماد کے معنوں میں آتا ہے۔ لیکن دونوں کے معنویاتی ڈھانچے یقیناً ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا طغی کے لفظ سے جو تصور ابھرتا ہے وہ کناروں سے باہر نکلتے ہوئے پانی کا ہے۔ استغنی میں بنیادی طور پر امیر اور دولت مند ہونے کا مفہوم ہے' اس کا مادہ غ ن ی ہے۔

قرآن کے ہر قاری کو معلوم ہے کہ قرآن کریم ہمیشہ اللہ کے غنی ہونے پر زور دیتا ہے۔ یعنی وہ اتنا امیر ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں' وہ خود مختار اور مستقل بالذات ہے۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے۔ اس کی خود مختاری دراصل مخلوق ہونے کے احساس و شعور کی نفی کی غماز ہے۔ یہ محض خود فریبی اور تکبر ہے اور خدا کے خالق ہونے کے انکار کے مترادف ہے۔ استغنا میں اسی قسم کی خود پسندی کا مفہوم ملتا ہے۔ لفظی طور پر اس کا معنی ہے "اپنے کو امیر سمجھنا" اور انجام کار اس کا مفہوم یہ بنتا ہے۔ "اپنی ذاتی طاقت میں بے حد اعتماد۔" دلچسپ بات ہے کہ ذیل کی آیت میں' یہ دونوں الفاظ انسانی فطرت کی ساخت کو بیان کرنے کے لیے اس طرح ساتھ ساتھ آئے ہیں کہ قریب قریب مترادف نظر آتے ہیں۔

کلا ان الانسان لیطغٰی ○ ان راٰہ استغنٰی (العلق:

(۶-۷)
مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے۔ جب کہ اپنے تیئں غنی دیکھتا ہے۔

اگلی آیت میں متوازی ترکیب کی شکل میں استغنا کے فعل کو اتقا (یعنی خوف خدا) کے مقابل استعمال کیا گیا ہے۔

فاما من اعطی واتقٰی (الیل: ۵)
تو جس نے (خدا کے راستے مین مال) دیا اور پرہیزگاری کی۔
واما من بخل و استغنٰی (الیل: ۸)
اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا۔

پورا سیاق یوں ہے۔

فامامن اعطی واتقٰی ○ وصدق بالحسنٰی ○ فسنیسرہ للیسرٰی ○ واما من بخل و استغنٰی ○ وکذب بالحسنٰی ○ فسنیسرہ للعسرٰی ○ وما یغنی عنہ مالہ اذاتردی (الیل: ۵-۱۱)

تو جس نے (خدا کے رستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کو سچ جانا۔ اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا۔ اسے سختی میں پہنچائیں گے۔ اور جب (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔

مندرجہ بالا آیات میں تقویٰ کے ساتھ عطا (اللہ کے راستے میں خرچ) کا اور استغنا کے ساتھ بخل کا ذکر اس انداز سے آیا ہے کہ ان سے نہ صرف ان کے باہمی ربط پر روشنی پڑتی ہے بلکہ تقویٰ اور استغنا کی تراکیب کے متوازی

استعمال سے ان کے متصل ذکر ہونے والے الفاظ یعنی عطا اور بخل کا باہمی تضاد، علم معنویات کے اصولوں کی رو سے لفظ استغنا کے معنوی ڈھانچے پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔

(و) جبار

جو شخص اپنے کو اتنا بڑا اور آمر سمجھتا ہے کہ وہ اپنے کو مکمل طور پر خود مختار قرار دیتا ہے، وہ فطری طور پر اپنے ساتھیوں پر ہر طرح سے غلبہ پانے کی فکر میں رہتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ سب پر بلا روک ٹوک استبدادی تسلط حاصل کر لے۔ ایسے شخص کے لیے جبار سے بہتر لفظ نہیں۔ مندرجہ ذیل آیات میں پہلی آیت میں جبار کی صفت انسان کے بجائے اس کے "دل" کے لیے آئی ہے۔ البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس سے عام کفار، مراد ہیں۔ یہاں یہ بھی قابل غور ہے کہ اس کے ساتھ پھر "متکبر" کا لفظ آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "جبار" اور "متکبر" ہم معنی ہیں۔

كذلك يطبع الله على كل قلب متكبر جبار
(المومن: ۳۵)

اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

اگلی آیت سے "جبار" کے معنی پر مزید اہم روشنی پڑتی ہے۔ اس آیت میں جبار کی صفت "باغی" بیان ہوئی ہے اور اس کے متضاد ایسے الفاظ ہیں جن کے معنوں میں محبت، نرمی اور تقویٰ کے مفاہیم شامل ہیں۔

و اتينه الحكم صبيًا ○ و حنانًا من لدنا و زكوة وكان تقيا ○ و برًا بوالديه ولم يكن جبارًا عصيًا ○ و سلم عليه يوم ولد و يوم يموت و يوم يبعث حيًا (مریم: ۱۲۔ ۱۴)

اور ہم نے ان (یحییٰ) کو لڑکپن ہی میں دانائی عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی دی تھی۔ اور وہ پرہیزگار تھے۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش اور نافرمان نہیں تھے اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ان پر سلام اور رحمت (ہے)۔

ذیل کی آیت میں جبار کے لفظ کے استعمال کی ایک اور اہم مثال ملتی ہے جس میں مذکورہ بالا حالت حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے بیان ہوئی ہے۔

قال انی عبداللّٰه اتنی الکتب و جعلنی نبیًا ○ و جعلنی مبارگا این ماکنت واوصنی بالصلوة والزکوة ما دمت حیًا ○ وبراً بوالدتی ولم یجعلنی جباراً شقیًا ○ والسلم علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیًا (مریم: ۳۰۔ ۳۳)

بچے نے کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے۔ اور نبی بنایا ہے۔ اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے۔ اور جب تک زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔ اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔ اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (و رحمت) ہے۔

❋

حواشی

۱۔ الشعراء ۔ ۱۸۔ ۱۹ (فرعون حضرت موسیٰؑ سے کہتا ہے: کیا ہم نے تمھارے بچپن میں تمھاری پرورش نہیں کی اور تم ہمارے درمیان کئی سال نہیں رہے، پھر بھی تم نے یہ کام کیا۔ تم تو ناشکرے ہو)۔

۲۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی۔ انوار التنزل و اسرار التاویل، ج۱ (استانبول۔ مطبعہ عثمانیہ ۱۳۱۴ھ) صفحہ ۶۹۵

۳۔ مصنف نے یہاں غلف کا ترجمہ نا مختون کیا ہے جو عربی زبان کے لحاظ سے تو صحیح ہے لیکن متداول تراجم میں غلف کا ترجمہ "پردہ" کیا گیا ہے۔

۴۔ بیضاوی۔ انوار التنزیل..... ج ۲، ص ۴۶۲

۵۔ ایضاً، ج ۱، ص ۴۴۶

۶۔ ان علامات سے یہ معنی مراد ہیں

——— متضاد

= مترادف

——— متشابہ / متقارب

۷۔ ابن اسحاق بحوالہ ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ، ج۲، (قاہرہ، محمد علی صبیح واولادہ ۱۹۶۳ء، ص ۳۲۰

۷۔ تفسیر بیضاوی، ج ۲، ص ۳۹۸

۸۔ Montgomery Watt' Muhammad At Mecca (Oxford: Clarendon' 1960) p 67

۹۔ تفسیر بیضاوی، ج ۲، ص ۱۲۵